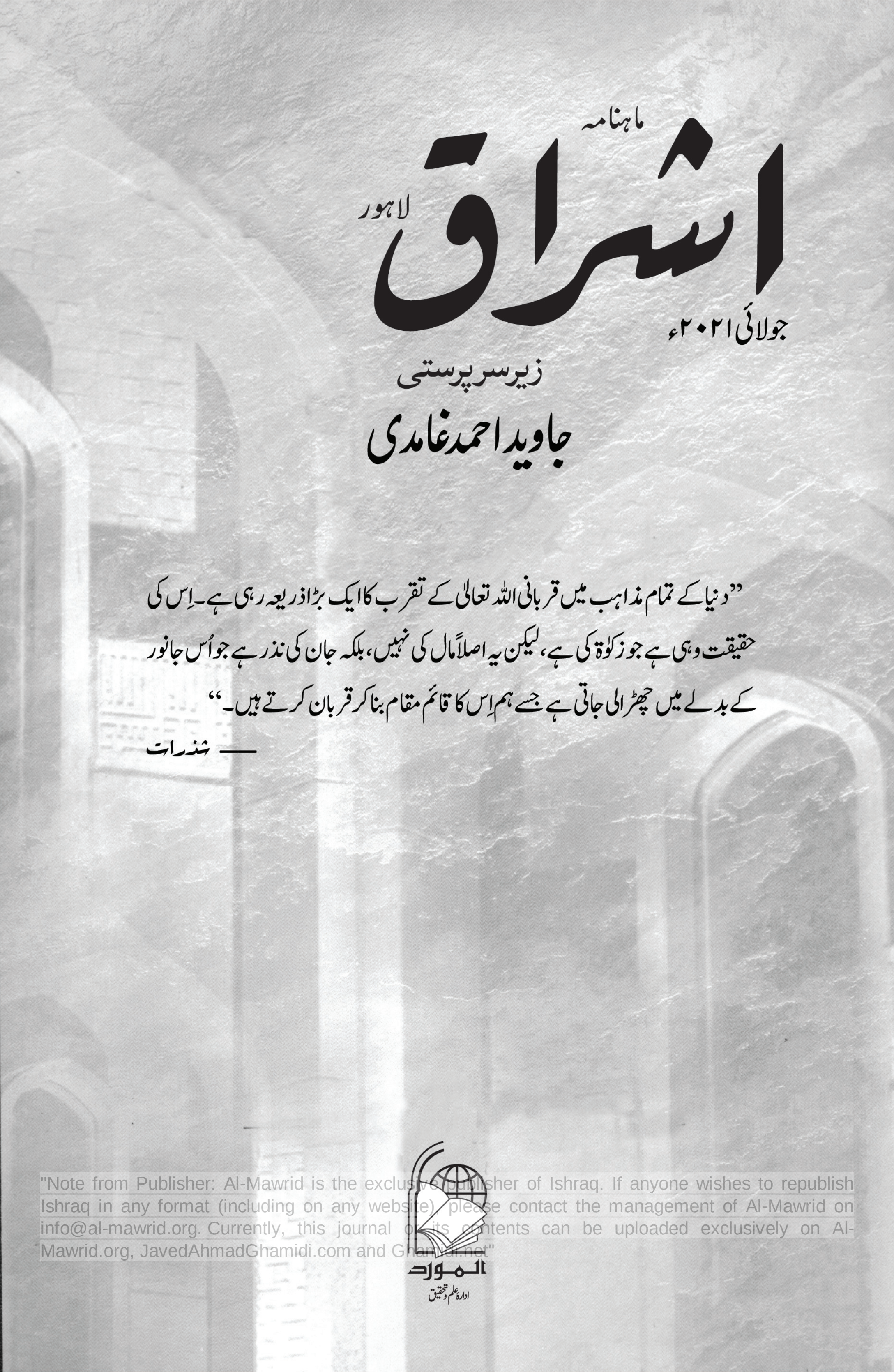

ماہنامہ

اشراق

لاہور

جولائی ۲۰۲۱ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

”دنیا کے تمام مذاہب میں قربانی اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ایک بڑا ذریعہ رہی ہے۔ اِس کی حقیقت وہی ہے جو زکوٰۃ کی ہے، لیکن یہ اصلاً مال کی نہیں، بلکہ جان کی نذر ہے جو اُس جانور کے بدلے میں چھڑا لی جاتی ہے جسے ہم اِس کا قائم مقام بنا کر قربان کرتے ہیں۔“

—— شذرات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد
ادارۂ علم و تحقیق

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ وارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

ماہنامہ

اشراق

لاہور

جلد ۳۳ شمارہ ۷ جولائی ۲۰۲۱ء ذوالحجہ ۱۴۴۲ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

فی شمارہ 50 روپے
سالانہ 500 روپے
رجسٹرڈ 1000 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک

سالانہ 50 ڈالر

فہرست

شذرات

قربانی	جاوید احمد غامدی	۴
سنت کا ثبوت: جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے موقف پر اعتراضات کا جائزہ (۴)	سید منظور الحسن	۶

قرآنیات

البیان: القصص ۲۸: ۱-۴۶ (۱)	جاوید احمد غامدی	۱۴

معارف نبوی

ایک فیاض حکمران کی پیش گوئی	جاوید احمد غامدی/ ڈاکٹر محمد عامر گزدر	۳۶
جنت کی حور	جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس	۴۱

مقالات

البیان: خصائص و امتیازات (۷)	رضوان اللہ	۴۹

سیر و سوانح

السابقون الاولون	محمد وسیم اختر مفتی	۵۹

اصلاح و دعوت

قیام مومن	محمد تہامی بشر علوی	۷۰

وفیات

مولانا وحید الدین خاں	محمد ذکوان ندوی	۷۵

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

شذرات

جاوید احمد غامدی

قربانی

دنیا کے تمام مذاہب میں قربانی اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ایک بڑا ذریعہ رہی ہے۔ اِس کی حقیقت وہی ہے جو زکوٰۃ کی ہے، لیکن یہ اصلاً مال کی نہیں، بلکہ جان کی نذر ہے جو اُس جانور کے بدلے میں چھڑا لی جاتی ہے جسے ہم اِس کا قائم مقام بنا کر قربان کرتے ہیں۔

قربانی کی تاریخ

اِس کی تاریخ آدم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے۔ قرآن میں بیان ہوا ہے کہ اُن کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) نے اپنی اپنی نذر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کی تو ایک کی نذر قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی۔ بائیبل میں صراحت ہے کہ ہابیل نے اِس موقع پر اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹے بچوں کی قربانی پیش کی تھی۔

یہ طریقہ بعد میں بھی، ظاہر ہے کہ قائم رہا ہو گا۔ چنانچہ اِس کے آثار ہم کو تمام مذاہب میں ملتے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کے بعد، البتہ جو اہمیت و عظمت اور وسعت و ہمہ گیری اِس عبادت کو حاصل ہوئی ہے، وہ اِس سے پہلے، یقیناً حاصل نہیں تھی۔ اُنھیں جب یہ ہدایت کی گئی کہ وہ بیٹے کی جگہ جانور کی قربانی دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اسمٰعیل کو ایک ذبح عظیم کے عوض چھڑا لیا ہے۔ اِس کے معنی یہ تھے کہ ابراہیم کی یہ نذر قبول کر لی گئی ہے اور اب پشت بہ پشت لوگ اپنی قربانیوں کے ذریعے سے اِس واقعے کی یاد قائم رکھیں

گے۔ حج و عمرہ کے موقع پر اور عیدالاضحیٰ کے دن یہی قربانی ہے جو ہم ایک نفل عبادت کے طور پر پورے اہتمام کے ساتھ کرتے ہیں۔

قربانی کا مقصد

اِس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے۔ ہم اپنی جان کا نذرانہ قربانی کے جانوروں کو اُس کی علامت بنا کر بارگاہ خداوندی میں پیش کرتے ہیں تو گویا اسلام و اخبات کی اُس ہدایت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں جس کا اظہار سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے فرزند کی قربانی سے کیا تھا۔ اِس موقع پر تکبیر و تہلیل کے الفاظ اِسی مقصد سے ادا کیے جاتے ہیں۔

یہ، اگر غور کیجیے تو پرستش کا منتہاے کمال ہے۔ اپنا اور اپنے جانور کا منہ قبلہ کی طرف کر کے اور 'بِسۡمِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ' کہہ کر ہم اپنے جانوروں کو قیام یا سجدے کی حالت میں اِس احساس کے ساتھ اپنے پروردگار کی نذر کر دیتے ہیں کہ یہ درحقیقت ہم اپنے آپ کو اُس کی نذر کر رہے ہیں۔

قربانی کا قانون

اِس کا قانون یہ ہے:

قربانی انعام کی قسم کے تمام چوپایوں کی ہو سکتی ہے۔

اِس کا جانور بے عیب اور اچھی عمر کا ہونا چاہیے۔

قربانی کا وقت یوم النحر ۱۰/ ذوالحجہ کو عیدالاضحیٰ کی نماز سے فراغت کے بعد شروع ہوتا ہے۔

اِس کے ایام وہی ہیں جو مزدلفہ سے واپسی کے بعد منیٰ میں قیام کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ اصطلاح میں اِنھیں 'ایام تشریق' کہا جاتا ہے۔ قربانی کے علاوہ اِن ایام میں یہ سنت بھی قائم کی گئی ہے کہ ہر نماز کی جماعت کے بعد تکبیریں کہی جائیں۔ نمازوں کے بعد تکبیر کا یہ حکم مطلق ہے۔ اِس کے کوئی خاص الفاظ شریعت میں مقرر نہیں کیے گئے۔

قربانی کا گوشت لوگ خود بھی بغیر کسی تردد کے کھا سکتے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتے ہیں۔

(الاسلام ۱۱۹-۱۲۲)

سید منظور الحسن

سنت کا ثبوت

جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے موقف پر اعتراضات کا جائزہ

(۴)

تواتر اور خبر واحد

ناقدین نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ غامدی صاحب سنت کے ثبوت کا معیار تواتر عملی کو قرار دیتے ہیں، جب کہ تواتر کا ثبوت بذات خود خبر کا محتاج ہے۔ امت کی صدیوں پر محیط تاریخ میں کسی عمل پر تواتر سے تعامل کی حقیقت کو جاننے کا واحد ذریعہ خبر ہے۔ اگر مجرد طور پر تواتر عملی ہی کو ذریعۂ انتقال مان لیا جائے تو دینی اعمال اور بدعات میں تفریق کرنی مشکل ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح دین کے اصل اعمال نسل در نسل تواتر عملی سے منتقل ہوئے ہیں، اسی طرح بدعات بھی دینی اعمال کی حیثیت سے نسلاً بعد نسلٍ تواتر عملی ہی سے منتقل ہوئی ہیں۔ چنانچہ دینی اعمال کو بدعات سے ممیز کرنے کے لیے لازماً اخبار کے ذخیرے ہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

ہمارے نزدیک یہ بات بالکل سطحی ہے اور انتقال علم کے ذرائع سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ ماضی کا تواتر اپنے ثبوت کے لیے تاریخی ریکارڈ کا محتاج ہوتا ہے، نہ کہ 'حدثنا' اور 'أخبرنا' کے ساتھ کسی کتاب میں لکھی ہوئی خبر واحد کا۔ تاریخی ریکارڈ سے مراد کتب حدیث میں مدون روایات کے علاوہ ہر دور کے علما وفقہا کی تصنیفات، تاریخ وادب کی کتب اور مختلف دینی علوم وفنون کے مباحث میں محفوظ وہ ذخیرہ ہے جو پوری قطعیت کے ساتھ واضح کر دیتا ہے کہ کون سی چیز متواتر ہے اور کون سی متواتر نہیں ہے؛ کون سا عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک

متصل ہے اور کون سا بعد کی پیداوار ہے؛ کس بات پر علماے امت متفق رہے ہیں اور کس پر ان کے مابین اختلاف ہوا ہے۔

تواتر کے ذریعے سے کیسے دین منتقل ہوا ہے، اہل علم نے مختلف مسائل کے حوالے سے اسے جا بجا واضح کیا ہے۔

امام شافعی کی درج ذیل عبارت سے واضح ہے کہ وہ عموم بلویٰ کی نوعیت کے احکام میں تواتر و تعامل ہی کو اصل معیار ثبوت کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ تدفین کے احکام ان کے نزدیک ہمیں خبر سے معلوم نہیں ہوئے، بلکہ عامہ کی عامہ کو روایت ہی کے ذریعے سے معلوم ہوئے ہیں:

وأمور الموتى وإدخالهم من الأمور المشهورة عندنا لكثرة الموت وحضور الأئمة وأهل الثقة وهو من الأمور العامة التي يستغنى فيها عن الحديث ويكون الحديث فيها كالتكليف بعموم معرفة الناس لها ورسول الله صلى الله عليه وسلم والمهاجرون والأنصار بين أظهرنا ينقل العامة عن العامة لا يختلفون في ذالک أن الميت يسل سلًا ثم جاءنا آت من غير بلدنا يعلمنا كيف ندخل الميت. (الام ۱/۳۰۰-۳۰۱)

”مردوں کے احکام اور ان کو قبر میں داخل کرنے کے احکام ہمارے ہاں کثرت اموات، ائمہ اور ثقہ لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ یہ ان احکام میں سے ہیں جن کے بارے میں گفتگو کرنا ضروری نہیں ہے۔ ان کے بارے میں گفتگو کرنا ایسے ہی ہے، جیسے لوگوں کو اس بات کا مکلف کرنا کہ وہ اس کی معرفت حاصل کریں، حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مہاجرین اور انصار کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں۔ عامہ عامہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اس بات میں اختلاف نہیں کرتے تھے کہ میت کو سرہانے کی طرف سے پکڑ کر کھینچ لیا جائے، پھر کوئی شخص کسی دوسرے شہر سے آ کر ہمیں سکھاتا ہے کہ میت کو قبر میں کیسے داخل کریں۔“

دین کے ایک اہم رکن —— نماز جمعہ —— کے بارے میں شاہ ولی اللہ نے یہ تصریح کی ہے کہ اس کے لیے جماعت اور شہریت کا شرط لازم ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظاً منقول نہیں ہے۔ امت نے یہ بات آپ

کے عمل سے براہ راست اخذ کی ہے:

وقد تلقت الأمة تلقيًا معنويًا من غير تلق لفظي أنه يشترط في الجمعة الجماعة ونوع من التمدن وكان النبي صلى الله عليه وسلم وخلفاؤه رضي الله عنهم والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالٰى يجمعون في البلدان ولا يؤاخذون بها أهل البدو بل ولا يقام في عهدهم في البدو ففهموا من ذالک قرنًا بعد قرن وعصرًا بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن. (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۵۴)

”امت کو یہ بات معناً پہنچی ہے، نہ کہ لفظاً کہ نماز جمعہ میں جماعت اور شہریت شرط ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے خلفا رضی اللہ عنہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ شہروں میں جمعہ کراتے تھے اور اس بنا پر دیہاتیوں کا مواخذہ نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے عہد میں کسی دیہات میں اس کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ جمعہ کے لیے جماعت اور شہریت شرط ہے۔“

علامہ انور شاہ کشمیری نے اسی پہلو کو ایک دوسرے زاویے سے بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی حکم عملی طور پر ثابت ہو اور اس کا مصداق پوری طرح واضح ہو تو اسی کو ’سنت ثابتہ‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رفع یدین کی مثال سے انھوں نے واضح کیا ہے کہ قیام میں رفع یدین کے وجوب یا عدم وجوب کا انحصار اسناد پر نہیں، بلکہ تعامل پر ہے۔ لکھتے ہیں:

وكل لفظ لم يوجد مصداقه مع وفور العمل في الخارج، فهو إيهام تعبيري لا غير. وبعكسه، أن العمل إذا ثبت بإمر في الخارج، وتبين مصداقه، فهو سنة ثابتة لا يمكن رفعها ونفيها من أحد، ولو أجلب عليه برجله وخيله، فلا يتمكن أحد على نفي الترك رأسًا، كما لا يتمكن على إثبات تعدد الرفع في

”جس حکم کا مصداق کثرت عمل کے باوجود خارج میں معلوم نہ ہو، وہ محض تعبیری وہم ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس کے برعکس، جب کسی حکم میں عمل خارج میں ثابت ہو اور اس کا مصداق واضح ہو تو وہ سنت ثابتہ ہے، اس کا رد اور نفی کرنا کسی سے ممکن نہیں، چاہے اس کے لیے اپنے پیادہ و رسالہ کو لے آئے۔ چنانچہ جس طرح رفع یدین کی مطلقاً نفی کسی کے لیے ممکن نہیں، اسی طرح خارج

القومة نظرًا إلى الألفاظ فقط ما لم يتبين العمل به في الخارج. فالتوارث والتعامل هو معظم الدين، وقد أرى كثيرًا منهم يتبعون الأسانيد ويتغافلون عن التعامل، ولولا ذالک لما وجدت أحدًا منهم ينكر ترک الرفع.

(فیض الباری ۱/ ۳۲۰)

میں عمل کا اثبات کیے بغیر محض الفاظ پیش نظر رکھتے ہوئے (رکوع و) قومہ میں رفع یدین کے تعدد کو ثابت کرنا بھی ناممکن ہے۔ توارث اور تعامل، (یعنی نسل در نسل عمل کرنا) دین کا بڑا حصہ ہیں۔ میں ان میں سے اکثر کو دیکھ چکا ہوں کہ وہ اسانید کی تو پیروی کرتے ہیں، لیکن تعامل سے غفلت برتتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں ان میں سے کسی کو رفع یدین کو ترک کرنے کا منکر نہ پاتا۔‘‘

بعض ناقدین نے غامدی صاحب کے اس موقف کی تردید کے لیے کہ سنت اجماع اور تواتر عملی سے منتقل ہوتی ہے اور اس کے مقابل میں اپنی اس راے کی تائید کے لیے کہ تواتر عملی کا اثبات اخبار آحاد کے بغیر ممکن نہیں ہے، نماز کی مثال کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ غامدی صاحب کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ نماز تواتر عملی کے ذریعے سے ملی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کے اعمال کے بارے میں فقہا کے مابین ہمیشہ سے اختلافات موجود رہے ہیں۔ ان اختلافی مباحث میں وہ اپنی آرا کے دلائل کے طور پر تواتر کو نہیں، بلکہ اخبار آحاد ہی کو پیش کرتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک اصل دلیل کی حیثیت خبر واحد کو حاصل ہے، نہ کہ تواتر کو۔

یہ بات فقہا کے کام کے صحیح فہم پر مبنی نہیں ہے۔ یہ بات سراسر غلط ہے کہ علماے امت اصل اور اساسی معاملات میں تواتر کے بجاے خبر واحد کو ترجیح دیتے ہیں۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ علما کی اکثریت اصل دین کے بارے میں اخبار آحاد پر انحصار کی قائل نہیں ہے، البتہ جزئیات اور فروعات میں اس پر انحصار کیا جا سکتا ہے، یعنی ایسا ہرگز نہیں ہے کہ وہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی اور دیگر سنن اور ان کی بنیادی تفصیلات کو ’حدثنا‘ اور ’أخبرنا‘ کے طریقے پر نقل کی گئی روایات کی بنا پر ثابت مانتے ہیں۔ ان کے ثبوت کا معیار ان کے نزدیک سرتاسر اجماع اور تواتر و تعامل ہی ہے۔ تاہم، اس ضمن میں بعض نہایت جزوی اور فروعی معاملات میں ان کے مابین اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ اختلافات جہاں تاویل، قیاس اور اجتہاد کی مختلف جہتوں کی بنا پر قائم ہوئے ہیں، وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے نقل ہونے والے اخبار آحاد کی بنا پر بھی قائم ہوئے

ہیں۔ چنانچہ ناقدین اگر غامدی صاحب کی محققہ سنن کی فہرست کو سامنے رکھیں اور ان میں سے ایک ایک چیز کو لے کر اس کے بارے میں علما و فقہا کی آرا کا جائزہ لیں تو ان پر یہ بات ہر لحاظ سے واضح ہو جائے گی کہ ان میں بنیادی طور پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ زکوٰۃ کی نوعیت، اس کی شروح اور حد نصاب میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ صدقۂ فطر میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ روزہ و اعتکاف کی شریعت میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ حج و عمرہ کے مناسک میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ قربانی اور ایام تشریق کی تکبیروں کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں ہے؛ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ نکاح و طلاق اور ان کے حدود و قیود میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ حیض و نفاس میں زن و شو کے تعلق سے اجتناب پر کوئی اختلاف نہیں ہے؛ سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ کرنے کے مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانے پینے میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ ملاقات کے موقع پر 'السلام علیکم' کہنے اور اس کا جواب دینے میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ چھینک آنے پر 'الحمد للہ' اور اس کے جواب میں 'یرحمک اللہ' کہنے پر کوئی اختلاف نہیں ہے؛ لڑکوں کا ختنہ کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ میت کو غسل دینے، اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ مونچھیں پست رکھنے، زیر ناف کے بال کاٹنے، بغل کے بال صاف کرنے، بڑھے ہوئے ناخن کاٹنے، ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی کرنے، استنجا کرنے، حیض و نفاس اور جنابت کے بعد غسل کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان میں سے بعض سنن کی جزئیات و فروعات میں کچھ اختلاف ضرور ہیں، لیکن ان سے ان کی متفق علیہ حیثیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

جہاں تک نماز کا تعلق ہے، تو اس کی جزئیات و فروعات میں بعض اختلافات نقل ہوئے ہیں، لیکن اس کی نوعیت اور اس کے بنیادی اعمال و اذکار کے بارے میں اصلاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ نماز کے ان شرائط پر اتفاق ہے کہ نماز پڑھنے والا نشے میں نہ ہو، وہ اگر عورت ہے تو حیض و نفاس کی حالت میں نہ ہو، وہ باوضو ہو اور حیض و نفاس یا جنابت کے بعد اس نے غسل کر لیا ہو، سفر، مرض یا پانی کی نایابی کی صورت میں، یہ دونوں مشکل ہو جائیں تو وہ تیمم کر لے، قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز کے لیے کھڑا ہو۔ وضو کے طریقے اور اس کے نواقض پر اتفاق ہے۔ تیمم کے طریقے پر اتفاق ہے۔ نماز کے اعمال پر اتفاق ہے، یعنی ابتدا میں رفع یدین، قیام، رکوع، قومہ، قعدہ، سجدہ، جلسہ، قعدے میں انگشت شہادت اٹھانا، سلام پھیرنا۔ نماز کے اذکار پر اتفاق ہے، یعنی ابتدا میں

’الله أکبر‘ کہنا، قیام میں سورۂ فاتحہ اور قرآن کے کچھ حصے کی تلاوت کرنا، رکوع میں جاتے ہوئے ’الله أکبر‘ کہنا، رکوع سے اٹھتے ہوئے ’سمع الله لمن حمده‘ کہنا، سجدوں میں جاتے اور اٹھتے ہوئے ’الله أکبر‘ کہنا، قعدے سے قیام کے لیے اٹھتے ہوئے ’الله أکبر‘ کہنا، نماز ختم کرنے کے لیے ’السلام علیکم و رحمة الله‘ کہنا، مغرب اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں اور فجر، جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں امام کا بلند آواز سے قراءت کرنا، ان اذکار کا عربی زبان میں ہونا۔ اسی طرح نمازوں کی تعداد اور ان کی رکعات پر اتفاق ہے۔ خطرے اور سفر وغیرہ کی حالت میں نماز میں دی گئی بعض رعایتوں پر اتفاق ہے۔ نماز کی جماعت کے حوالے سے جو سنت قائم ہے، اس پر بھی اتفاق ہے۔ اذان اور اقامت پر اتفاق ہے۔ اس پر بھی اتفاق ہے کہ نماز میں غلطی کی صورت میں دو سجدے کیے جائیں۔ اس تفصیل کو جان کر ہر وہ شخص جو نماز سے واقف ہے، بے اختیار یہ پکار اٹھے گا کہ اگر ان چیزوں پر علماے امت کا اتفاق ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نماز ایک متفق علیہ سنت کی حیثیت سے امت میں جاری و ساری ہے۔

چند جزوی چیزیں ہیں جن میں بعض فقہا اخبار آحاد کی بنا پر اختلاف کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک چیز مثال کے طور پر یہ ہے کہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد، تیسری رکعت سے اٹھتے ہوئے اور سجدے میں جاتے اور اس سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کیا جائے۔ اسی طرح ایک چیز یہ ہے کہ امام کے پیچھے تلاوت دہرائی جائے یا خاموشی سے سنا جائے۔ قیام میں ہاتھ ناف سے ذرا اوپر باندھے جائیں یا لازماً سینے ہی پر باندھے جائیں۔ نماز میں قراءت بسم اللہ سے شروع کی جائے یا اس کے بغیر شروع کی جائے۔ سفر میں قصر نماز فرض ہے یا اختیاری ہے، جمع بین الصلاتین میں تقدیم کا طریقہ اختیار کیا جائے یا تاخیر کا۔ نمازی کے آگے سے گزرنے سے نماز قطع ہو گی یا نہیں۔ یہ اور اس نوعیت کے بعض فروعی مسائل کے بارے میں علما کے مابین اختلافات مذکور ہیں۔ یہ اختلافات زیادہ تر اخبار آحاد میں مسائل کے تنوع اور ان کی مختلف تعبیرات اور علما کے ہاں ان کی تاویلات میں اختلاف پر مبنی ہیں۔ ان کی حیثیت فروعی ہے اور ان سے نہ تواتر پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ان سنن کے سنن ہونے میں کوئی تغیر واقع ہوتا ہے۔ امام حمید الدین فراہی نے اپنے مقدمۂ تفسیر میں اسی بات کو واضح کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ”اسی طرح تمام اصطلاحات شرعیہ مثلاً نماز، زکوٰۃ، جہاد، روزہ، حج، مسجد حرام، صفا، مروہ اور مناسک حج وغیرہ اور ان سے جو اعمال متعلق ہیں تواتر و توارث کے ساتھ سلف سے لے کر خلف تک سب محفوظ رہے۔ اس میں جو معمولی جزوی اختلافات ہیں، وہ بالکل ناقابل لحاظ ہیں۔ شیر کے معنی سب کو معلوم ہیں اگرچہ مختلف

ممالک کے شیروں کی شکلوں صورتوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اسی طرح جو نماز مطلوب ہے، وہی نماز ہے جو مسلمان پڑھتے ہیں، ہر چند کہ اس کی صورت وہیئت میں بعض جزوی اختلافات ہیں۔ جو لوگ اس قسم کی چیزوں میں زیادہ کھوج کرید کرتے ہیں وہ اس دین قیم کے مزاج سے بالکل ہی ناآشنا ہیں جس کی تعلیم قرآن پاک نے دی ہے... پس جب ایسے اصطلاحی الفاظ کا معاملہ پیش آئے، جن کی پوری حد و تصویر قرآن میں نہ بیان ہوئی ہو تو صحیح راہ یہ ہے کہ جتنے حصے پر تمام امت متفق ہے اتنے پر قناعت کرو اور اخبار آحاد پر زیادہ اصرار نہ کرو ورنہ خود بھی شک میں پڑو گے اور دوسروں کے اعمال کو بھی غلط ٹھہراؤ گے اور تمھارے درمیان کوئی ایسی چیز نہ ہو گی جو اس جھگڑے کا فیصلہ کر سکے۔"(تدبر قرآن ۱/ ۲۹)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے موقف پر جب ایک صاحب نے وہی اعتراض کیا جو ناقدین نے نماز کے حوالے سے کیا ہے تو انھوں نے یہی بات بیان کی:

"... نماز کے متعلق تواتر قولی و عملی سے یہ بات متفقہ طور پر ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ وقت کی نماز فرض ادا فرماتے تھے، نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی تھی، مقتدی آپ کے پیچھے صف بستہ کھڑے ہوتے اور آپ کی حرکات و سکنات کی پیروی کرتے تھے۔ آپ قبلہ کی جانب رخ فرمایا کرتے۔ تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز میں داخل ہوتے، قیام، رکوع، سجود اور قعود سے نماز مرکب ہوتی تھی، ہر رکن نماز کی فلاں فلاں ہیئتیں تھیں۔ غرض نماز کے جتنے اہم اجزاء ترکیبی ہیں ان سب میں تمام زبانی روایات متفق ہیں اور عہد رسالت سے آج تک ان کے مطابق عمل بھی ہو رہا ہے۔ اب رہے جزئیات مثلاً رفع یدین اور وضع یدین وغیرہ تو ان کا اختلاف یہ معنی نہیں رکھتا کہ نماز کے متعلق تمام روایات غلط ہیں، بلکہ دراصل یہ اختلاف اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ مختلف لوگوں نے مختلف اوقات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مختلف دیکھا۔ چونکہ یہ امور نماز میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے، اور ان میں سے کسی کے کرنے یا نہ کرنے سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، اور حضور خود صاحب شریعت تھے اس لیے آپ جس وقت جیسا چاہتے تھے عمل فرماتے تھے۔ لیکن حضورؐ کے سوا کوئی اور شخص چونکہ صاحب شریعت نہ تھا۔ اور اس کا کام اتباع تھا نہ کہ تشریع اس لیے ہر دیکھنے والے نے آپ کو جیسا فعل کرتے دیکھا اسی کی پیروی کی اور اسی کی پیروی کے لیے لوگوں سے کہا۔ بعد کے ائمہ نے روایات کی چھان بین کر کے ہر جزئیہ کے متعلق یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ زیادہ صحیح اور مستند روایات کون سی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تحقیق کے نتائج میں اختلاف ہونا ممکن تھا، اور وہ ہوا۔ کسی نے کسی روایت کو زیادہ مستند

> سمجھا، اور کسی کو اس کے خلاف روایت پر اطمینان حاصل ہوا۔ مگر یہ اختلاف کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور یہ ہرگز اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ ادائے نماز کے متعلق سرے سے کوئی قولی و فعلی تواتر ہی نہیں پایا جاتا۔'' (تفہیمات ۱/ ۳۷۶-۳۷۷)

اس تفصیل سے واضح ہے کہ نماز کے معاملے میں فقہا کے مابین پایا جانے والا سارا اختلاف فروع اور جزئیات میں ہے، نہ کہ نماز کے اصل اور اساسی ڈھانچے میں، جس کو غامدی صاحب 'سنت' سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ ناقدین اگر غامدی صاحب کی کتاب ''میزان'' کے باب ''قانون عبادات'' کا ملاحظہ کریں تو ان پر یہ بات واضح ہو گی کہ انھوں نے نماز کے متفقہ اور متواتر اعمال و اذکار کو سنت کے عنوان سے الگ ذکر کیا ہے اور اخبار آحاد سے مروی اسوۂ حسنہ کو اس کی فرع کے طور پر الگ نقل کیا ہے۔

قرآنیات

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ القصص

(۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾ نَتۡلُوۡا عَلَیۡكَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰی وَفِرۡعَوۡنَ بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳﴾

— ۲ —

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

یہ سورۂ ’طٰسٓمّٓ‘[۱۱۲] ہے۔ یہ نہایت واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم اُن لوگوں کی ہدایت کے لیے جو ایمان لانا چاہیں[۱۱۳]، موسیٰ اور فرعون کی سرگذشت کا کچھ حصہ ٹھیک ٹھیک تمھیں سناتے ہیں۔ ۱-۳

---

[۱۱۲] ۱۱۲۔ اِس نام کے معنی کیا ہیں؟ اِس کے متعلق اپنا نقطۂ نظر ہم سورۂ بقرہ (۲) کی آیت ۱ کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

[۱۱۳] ۱۱۳۔ اصل الفاظ ہیں: ’لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ‘۔ اِن میں فعل ارادۂ فعل کے مفہوم میں ہے۔ یہ ایک قسم کی تنبیہ ہے۔ قرآن نے ابتدا ہی میں بتا دیا ہے کہ اِس سرگذشت سے ہدایت اُنھی کو ملے گی جو ہدایت پانا چاہیں گے۔ اُن

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَآءَهُمْ ؕ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤﴾ وَنُرِيْدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۙ﴿٥﴾

واقعہ یہ ہے کہ سرزمین مصر میں فرعون نے سرکشی اختیار کر لی تھی[۱۱۴]۔ اُس کے باشندوں کو اُس نے گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا[۱۱۵]۔ اُن میں سے ایک گروہ کو اُس نے سختی سے دبا رکھا تھا[۱۱۶]، اُن کے بیٹوں کو وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ذبح کر چھوڑتا اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا[۱۱۷]۔ فی الواقع وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ اور اِدھر ہم نے ارادہ کر لیا تھا کہ اُن لوگوں پر عنایت کریں جو اُس ملک میں دبا کر رکھے گئے تھے[۱۱۸] اور اُن کو امامت عطا فرمائیں[۱۱۹] اور اُنھیں ملک کا وارث بنائیں

کے لیے اِس میں کوئی ہدایت نہیں ہے جو فیصلہ کر چکے ہیں کہ اندھے اور بہرے بن کر ہی جئیں گے۔

[۱۱۴] اِس سرکشی کی نوعیت کیا تھی؟ آگے قرآن نے اِسی کی وضاحت فرمائی ہے۔

[۱۱۵] یعنی انصاف کی مسند پر بیٹھ کر انصاف کرنے اور سب کو یکساں اور برابر کے حقوق دینے کے بجاے اُس نے رعایا کو طبقات میں تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ کسی کو مراعات اور امتیازات دے رکھے تھے اور کسی کو محکوم بنا کر ذلیل کرتا تھا۔

[۱۱۶] یعنی بنی اسرائیل کو جو یوسف علیہ السلام کے زمانے میں یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے اور اب ایک بڑی قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔

[۱۱۷] یہ، ظاہر ہے کہ سرکشی کی انتہا ہے جس کا صدور کسی حکمران سے ہو سکتا ہے۔ فرعون اور اُس کے اعیان و اکابر نے یہ اسکیم اِس لیے چلائی تھی کہ وہ بنی اسرائیل کی تعداد میں اضافے سے خوف زدہ تھے کہ مبادا وہ ایک بڑی قوت بن کر اُن پر غلبہ پا لیں۔ اِس کی تفصیلات بائیبل اور تالمود، دونوں میں دیکھ لی جا سکتی ہیں۔

[۱۱۸] یہ اُس خدائی فیصلے کا بیان ہے جس کے تحت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد بنی اسرائیل کو عالمی سطح پر اپنے دین کی شہادت کے لیے منتخب کیا۔ یہ اُسی طرح کا انتخاب تھا، جس طرح انسانوں میں سے انبیا علیہم السلام کو انذار و بشارت اور دعوت و شہادت کے لیے منتخب کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ یہاں جو مدعا ’نَمُنَّ‘ کے

وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِي الۡاَرۡضِ وَنُرِيَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶﴾
وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوۡسٰۤى اَنۡ اَرۡضِعِيۡهِ ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَيۡهِ فَاَلۡقِيۡهِ فِي الۡيَمِّ وَلَا

اور اُنھیں اُس ملک میں اقتدار بخشیں[120] اور فرعون اور ہامان[121] اور اُن کے لشکروں کو اُن سے وہی کچھ دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے[122]۔ ۴-۶

(چنانچہ موسیٰ[123] پیدا ہوا تو بچے قتل کیے جا رہے تھے)۔ ہم نے موسیٰ کی ماں کو (اِسی بنا پر) وحی

لفظ سے ادا ہوا ہے، قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں اُسی کو 'نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ' کے الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔

۱۱۹۔ یعنی دین کے امام اور پیشوا بنائیں۔ سورۂ بقرہ (۲) کی آیت ۱۲۴ میں قرآن نے ابراہیم علیہ السلام سے متعلق جس فیصلے کا ذکر 'اِنِّيۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا' کے الفاظ میں کیا ہے، یہ اُسی کا نتیجہ ہے۔

۱۲۰۔ اِس کے لیے ارض فلسطین کا انتخاب کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اِسے اپنی دعوت کے لیے خاص قرار دے کر بنی اسرائیل کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ حکم دیا گیا کہ اِس کے باشندوں سے اِس سرزمین کو خالی کرا لیا جائے اور گردوپیش کی حکومتوں کو باج گزار بنا کر اِس پورے علاقے میں انبیا علیہم السلام کی زیر قیادت خدا کی حکومت قائم کر دی جائے۔ بائیبل میں اِسی بنا پر اِسے بنی اسرائیل کی میراث کا علاقہ کہا گیا ہے۔ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ یہ ایک خدائی فیصلہ تھا، اِس کا دنیا کے دوسرے علاقوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۲۱۔ اِس کا ذکر جس طریقے سے یہاں ہوا ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غالباً فرعون کا وزیر اعظم تھا اور اُس کے دست راست کی حیثیت سے اُس کے تمام مظالم میں پوری طرح شریک تھا۔

۱۲۲۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ فرعونی اِس بات سے ڈرتے تھے کہ بنی اسرائیل کی تعداد اور مصر میں اُن کا اثر و رسوخ اِسی طرح بڑھتا رہا تو ایک دن وہ اُن پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔ یہ اُسی ڈر کا ذکر ہے۔ فرمایا کہ یہی ہو گا اور فرعون اور اُس کے اعیان و اکابر اپنے تمام زور و سلطنت اور تدبیر و تدبر کے باوجود ایک دن بالکل مغلوب ہو کر رہ جائیں گے۔

۱۲۳۔ موسیٰ قبطی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں: میں نے اُسے پانی سے نکالا۔ بائیبل اور تالمود، دونوں

تَخَافِیۡ وَلَا تَحۡزَنِیۡ ۚ اِنَّا رَآدُّوۡہُ اِلَیۡکِ وَجَاعِلُوۡہُ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ (۷)
فَالۡتَقَطَہٗۤ اٰلُ فِرۡعَوۡنَ لِیَکُوۡنَ لَہُمۡ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ وَھَامٰنَ

کی[۱۲۴] کہ ابھی اِسے دودھ پلاؤ، پھر جب اِس کی نسبت تمھیں (جان کا) خطرہ ہو تو اِسے دریا میں ڈال دینا اور کوئی اندیشہ اور غم نہ کرنا، ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اِس کو ہم واپس تمھارے پاس پہنچا دیں گے[۱۲۵] اور اِسے پیغمبروں میں سے (ایک پیغمبر) بنائیں گے۔ ۷

(اُس نے بالآخر یہی کیا)[۱۲۶]، پھر فرعون کے گھر والوں نے (دریا میں بہتے دیکھ کر) اُس کو اٹھا

سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا یہ نام فرعون کے گھر میں رکھا گیا تھا۔ اُن کے والد کا نام اِن کتابوں میں عمرام بتایا گیا ہے۔ قرآن اِسی کا تلفظ عمران کرتا ہے۔ وہ حضرت یعقوب کے بیٹے لاوی کی اولاد میں سے تھے۔

۱۲۴۔ الہام و القا یا رؤیا کے ذریعے سے کوئی بات کسی کے دل میں ڈال دی جائے تو قرآن کی زبان میں وحی کا لفظ اُس کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پیغمبر نہیں تھیں، اِس لیے یہاں اِس لفظ کو اِسی مفہوم میں لینا چاہیے۔

۱۲۵۔ بائیبل کی کتاب خروج میں ہے کہ فرعون اور اُس کے اعیان نے پہلے دائیوں کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیں، لیکن جب اِس میں کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی تو قبطیوں کو عام حکم دے دیا گیا کہ جہاں دیکھیں کہ بنی اسرائیل کے ہاں کوئی بیٹا پیدا ہوا ہے، اُسے اٹھائیں اور دریا میں پھینک دیں*۔ چنانچہ اِسی بنا پر فرمایا ہے کہ بچے کو چھپائے رکھو، لیکن جب یہ ممکن نہ رہے تو اپنے ہاتھوں سے اُسے دریا میں ڈال دینا اور کوئی اندیشہ نہ کرنا، ہم اِسی کو تمھارے بچے کے لیے نجات کی راہ بنا دیں گے۔

۱۲۶۔ بائیبل میں ہے:

> ”...وہ عورت حاملہ ہوئی اور اُس کے بیٹا ہوا اور اُس نے یہ دیکھ کر کہ بچہ خوب صورت ہے، تین مہینے تک اُسے چھپا کر رکھا۔ اور جب اُسے اور زیادہ چھپا نہ سکی تو اُس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا لیا اور اُس پر چکنی مٹی اور رال لگا کر لڑکے کو اُس میں رکھا اور اُسے دریا کے کنارے جھاؤ میں چھوڑ آئی۔“ (خروج ۲: ۲-۳)

---

* (۱: ۱۵-۲۲)

وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ﴿٨﴾ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ
لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾
وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا

لیا[۱۲۷] کہ (خدا کی بات پوری ہو اور) اِس کے نتیجے میں وہ اُن کا دشمن اور اُن کے لیے باعث غم بنے[۱۲۸]۔ حقیقت یہ ہے کہ فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر بڑے خطاکار تھے (کہ اپنے آپ کو تمام اختیار و اقتدار کا مالک سمجھتے رہے)[۱۲۹]۔ فرعون کی بیوی نے (بچے کو دیکھا تو فرعون سے) کہا: یہ تو میری اور تمھاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، تم لوگ اِسے قتل نہ کرو۔ کیا عجب کہ یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اِسے بیٹا ہی بنا لیں[۱۳۰]۔ (وہ یہ باتیں کر رہے تھے) اور اُنھیں کچھ خبر نہ تھی کہ اُن کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ ۸-۹

اُدھر موسیٰ کی ماں کا دل بالکل بے قرار ہو گیا۔ اگر ہم اُس کے دل کو نہ سنبھالتے کہ اُس کو

---

[۱۲۷] یہ اِس لیے ممکن ہوا کہ دریاے نیل بنی اسرائیل کی بستیوں سے گزرتا ہوا شاہی محلات کی طرف جاتا تھا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جس ٹوکرے میں تھے، اُسے دریا کی سیر کرتے ہوئے خود بادشاہ اور ملکہ نے یا اُن کے خدام نے دیکھا اور دریا سے نکال لیا۔

[۱۲۸] اصل الفاظ ہیں: 'لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا'۔ اِن میں 'ل' اُن کے مقصد کو نہیں، بلکہ فعل کی غایت اور انجام مقدر کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ ہم نے ترجمہ اِسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

[۱۲۹] مطلب یہ ہے کہ اُنھوں نے سوچا ہی نہیں کہ کائنات کا اصل مالک خدا ہے اور وہ اگر چاہے گا تو اُن کے سب سے بڑے قامع کی پرورش اُنھی کے ہاتھوں کرا کے اُنھیں اُن کے انجام مقدر تک پہنچا دے گا، اور یہی بہت بڑی غلطی تھی۔

[۱۳۰] فرعون کے ہاں غالباً کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اور یہ ملکہ نہایت نیک دل خاتون تھیں۔ قرآن نے دوسری جگہ بتایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی موہنی صورت عطا فرمائی تھی۔ جو دیکھتا، اُسے بے اختیار پیار آ جاتا تھا۔ چنانچہ ملکہ بھی اِس موہنی صورت پر قربان ہو گئیں اور اُنھوں نے فرعون سے وہ بات کہی جو یہاں نقل ہوئی ہے۔

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠﴾ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ﴿١١﴾

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ
يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿١٢﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا

ہمارے وعدے کا یقین رہے[۱۳۱] تو وہ اُس کا راز فاش کر بیٹھتی۔ اور (اِسی بے قراری میں) اُس نے بچے کی بہن سے کہا کہ اُس کے پیچھے پیچھے جا[۱۳۲]۔ چنانچہ وہ (اجنبی بن کر) اُس کو دور سے دیکھتی رہی اور فرعون کے لوگوں کو اِس کی کچھ خبر نہ ہوئی[۱۳۳]۔ ۱۰-۱۱

اور اِدھر دودھ پلائیوں کے دودھ سے ہم نے موسیٰ کو پہلے ہی روک رکھا تھا۔[۱۳۴] چنانچہ (موسیٰ کی بہن وہاں پہنچی اور یہ دیکھا تو) اُس نے اُن سے کہا: تم لوگ کہو تو میں تمھیں ایک گھرانے کا پتا بتاؤں جو تم لوگوں کی خاطر اِسے پالیں گے اور بڑی خیر خواہی سے اِس کی دیکھ بھال کریں گے؟ اِس

۱۳۱۔ یعنی خدا کے اشارے سے بچے کو دریا کے حوالے کر کے اُس نے جس ایمان و توکل کی شہادت دی تھی، اُس کی لاج قائم رہے۔ اپنے مومن بندوں اور بندیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یوں ہی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”... اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور بندیوں کو امتحان میں توڈالتا ہے کہ یہ امتحان اُس کی سنت ہے، اور یہ امتحان درجے اور مرتبے کے اعتبار سے سخت سے سخت تر بھی ہوتا ہے، لیکن ساتھ ہی اُس کی یہ سنت بھی ہے کہ جو لوگ اُس کے امتحان کی راہ میں بازی کھیل جاتے ہیں، وہ اُن کو سنبھالتا بھی ہے۔“ (تدبر قرآن ۵/۶۶۱)

۱۳۲۔ یہ دل کی تسلی کے لیے آخری تدبیر تھی جو وہ کر سکتی تھیں۔

۱۳۳۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہی محل اسرائیلیوں کی بستی سے زیادہ دور نہیں تھا۔

۱۳۴۔ یہ اُس تدبیر کا ذکر ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی ماں کی طرف لوٹانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمائی۔ چنانچہ بچے کو پانے کے بعد جب اُس کو دودھ پلانے کی فکر ہوئی تو فرعون کی بیوی ایک کے بعد دوسری انا کو دودھ پلانے کے لیے بلاتی رہی، لیکن بچے نے کسی کی چھاتی منہ سے نہیں لگائی۔

www.al-mawrid.org www.javedahmedghamidi.com

تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾
وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾
وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫
هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ

طرح موسیٰ کو ہم نے اُس کی ماں کی طرف لوٹا دیا کہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ آزردہ خاطر نہ ہو اور اِس لیے کہ وہ اچھی طرح جان لے کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کے رہتا ہے[۱۳۵]، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے[۱۳۶]۔ ۱۲-۱۳

(فرعون کے زیر سایہ پرورش پا کر یہی) موسیٰ جب اپنی جوانی کو پہنچا اور ہر لحاظ سے پختہ ہو گیا[۱۳۷] تو ہم نے اُسے علم و حکمت سے نوازا[۱۳۸]۔ اچھے لوگوں کو ہم اِسی طرح صلہ دیتے ہیں[۱۳۹]۔ ۱۴

(پھر ایک دن اتفاق سے) وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوا، جب کہ شہر کے لوگ بے خبر ہوتے تھے[۱۴۰] تو اُس نے دیکھا کہ دو آدمی وہاں لڑ رہے ہیں۔ ایک اُس کی اپنی قوم میں سے تھا اور دوسرا

www.javedahmedghamidi.com

---

[۱۳۵] یہ اُس وعدے کے ایفا کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر اوپر آیت ۷ میں گزرا ہے۔

[۱۳۶] یعنی اپنی بلادت کے سبب سے اِس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> "... وہ خدا کے وعدوں کو محض ہوائی باتیں خیال کرتے ہیں اور اُن کے اعتماد پر کوئی بازی کھیلنے میں اُن کو خسارہ اور خطرہ نظر آتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہوتے دیکھ لیں، تب مانیں گے، حالاں کہ اِس دنیا میں اصل امتحان تو یہی ہے کہ لوگ اپنے رب کے اُن وعدوں اور وعیدوں کے لیے جئیں اور مریں جن کی حقیقت ابھی سامنے آنی ہے۔" (تدبر قرآن ۵/ ۶۶۲)

[۱۳۷] یعنی جسمانی لحاظ سے بھی جوانی کو پہنچ گیا اور اُس کی عقل اور اُس کے مزاج میں بھی پختگی آ گئی۔

[۱۳۸] آیت میں 'حُکْم' اور 'عِلْم' کے الفاظ آئے ہیں۔ 'حُکْم' سے مراد چیزوں کے بارے میں صحیح فیصلے تک پہنچنے کی صلاحیت اور 'عِلْم' سے مراد معرفت حقائق ہے۔

[۱۳۹] یعنی اُن لوگوں کو جو خدا کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کو بالکل صحیح طریقے پر استعمال کرتے ہیں۔

[۱۴۰] یہ غالباً لوگوں کے قیلولے کا وقت ہو گا۔ آگے جو واقعہ بیان ہوا ہے، اُس کے بارے میں خیال ہو سکتا

عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ؗ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ

اُس کے دشمنوں کی قوم میں سے۔ پھر اُس کی قوم کے آدمی نے اُس شخص کے مقابل میں اُس کی مدد چاہی جو اُس کے دشمنوں میں سے تھا۔ اِس پر موسیٰ نے اُس کے گھونسا مارا اور اُس کا کام تمام کر دیا[۱۴۱]۔ (یہ حرکت سرزد ہوتے ہی) موسیٰ نے کہا: یہ تو مجھ سے شیطانی کام ہو گیا ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ شیطان ایک کھلا ہوا گم راہ کرنے والا دشمن ہے۔ اُس نے دعا کی کہ میرے پروردگار، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، سو مجھ کو بخش دے[۱۴۲] تو اُس کے پروردگار نے اُسے بخش دیا۔

تھا کہ آخر لوگوں نے اُسے دیکھا کیوں نہیں۔ قرآن نے یہ اُس کی وجہ بیان کر دی ہے کہ یہ ایسا وقت تھا، جب لوگ زیادہ تر گھروں میں تھے۔ چنانچہ سڑکیں اور گلیاں سنسان تھیں اور شہر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اِس وقت کا انتخاب شاید اِس لیے کیا کہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے بچ بچا کے اپنے مظلوم بھائیوں کے حالات دیکھ سکیں۔

[۱۴۱] یہ حادثہ بالکل بے ارادہ پیش آیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اِس طرح کی صورت حال پیش آ جائے گی۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”...اسرائیلی نے جب حضرت موسیٰ کو دیکھا تو اُن سے طالب مدد ہوا۔ حضرت موسیٰ اُس کو مظلوم دیکھ کر، بہ تقاضاے فتوت و حمایت حق، اُس کی مدد کے لیے بڑھے اور چاہا کہ بیچ بچاؤ کرا دیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قبطی اپنی رعونت کے سبب سے اُن سے الجھ پڑا۔ اُنھوں نے اپنی مدافعت میں اُس کو جو گھونسا مارا تو وہ ایسا بے ڈھب پڑا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔“ (تدبر قرآن ۵/ ۶۶۳)

[۱۴۲] یہ اُسی علم و حکمت کا کرشمہ تھا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی شہ زوری اور بے پناہی پر فخر کرنے کے بجاے اِس غیر ارادی غلطی کو بھی جرم سمجھا۔ چنانچہ فوراً نادم ہوئے اور اپنے پروردگار سے معافی کی درخواست کی۔

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ

حقیقت یہ ہے کہ وہی بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ موسیٰ نے کہا: میرے پروردگار، یہ عنایت جو تو نے مجھ پر فرمائی ہے، اِس کے بعد تو اب میں اِس طرح کے مجرموں کا کبھی مددگار نہ بنوں گا[۱۴۳]۔ ۱۵-۱۷

(رات خیریت سے گزر گئی) تو اگلے دن موسیٰ صبح کو ڈرتے ڈرتے، کچھ ٹوہ لیتے ہوئے شہر میں

۱۴۳۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کی بشارت بھی کسی غیبی ذریعے سے دے دی گئی تاکہ وہ مطمئن ہو جائیں اور اپنی حفاظت کا بندوبست کریں۔ اِس لیے کہ اُس وقت کی حکومت اور قانون سے وہ اپنے لیے کسی انصاف کی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ اِس میں یہ جو فرمایا ہے کہ ''اب میں اِس طرح کے مجرموں کا کبھی مددگار نہ بنوں گا''، تو اِس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اُنھوں نے اپنے اسرائیلی بھائی کو مجرم سمجھتے ہوئے اُس کی مدد کی تھی۔ اُس وقت تو اُنھوں نے اُسے مظلوم ہی سمجھا تھا، لیکن بعد میں واضح ہو گیا کہ جسے وہ مظلوم سمجھے تھے، وہی درحقیقت مجرم تھا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''... آپ نے تو جو کچھ کیا، اُس کو مظلوم سمجھتے ہوئے کیا، اُس کی فریاد پر کیا اور وقت کے حالات کی بنا پر اُن کو گمان یہی ہوا کہ قبطی ظالم اور اسرائیلی مظلوم ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے معافی مانگنے پر یہ نہیں فرمایا کہ تم بے قصور ہو، قبطی ظالم آدمی تھا، بلکہ اُن کو ایک غلطی کا مرتکب قرار دیتے ہوئے معافی دی تو اِس سے وہ اِس نتیجے پر پہنچے کہ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے مظلوم کی حمایت کرنی چاہی، لیکن معاملے کی تحقیق نہ کرنے کے سبب سے مجھ سے ظالم کی حمایت صادر ہو گئی۔ اِس وجہ سے آیندہ کے لیے آپ نے یہ عہد فرمایا کہ اب میں بلا تحقیق کسی کی حمایت نہیں کروں گا، بلکہ صرف اُسی کی حمایت کروں گا جس کا مظلوم ہونا معلوم ہو۔ چنانچہ دوسرے ہی دن آپ نے جب اُسی اسرائیلی کو ایک دوسرے قبطی سے لڑتے دیکھا اور وہ حسب سابق پھر حضرت موسیٰ سے طالب مدد ہوا تو آپ نے اُس کو جھڑک دیا کہ تم ایک شریر آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

(تدبر قرآن ۵/ ۶۶۴)

يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ
بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا ۢ
بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ
مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

داخل ہوا۔ پھر کیا دیکھتا ہے کہ وہی جس نے کل اُسے مدد کے لیے پکارا تھا، آج پھر اُسے پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اُس سے کہا: اب کوئی شبہ نہیں رہا کہ تم خود ایک کھلے ہوئے شریر آدمی ہو[۱۴۴]۔ پھر (دونوں کو سمجھاتے سمجھاتے) جب بات یہاں تک پہنچ گئی کہ موسیٰ نے ارادہ کیا[۱۴۵] کہ اب اپنے اور اُس کے دشمن[۱۴۶] کو پکڑے (کہ وہ بھی جھگڑنا بند کرے) تو (اُسے شبہ ہوا کہ یہ مجھے پکڑنا چاہتے ہیں[۱۴۷]، لہٰذا) وہ بول اٹھا کہ موسیٰ، جس طرح کل ایک آدمی کو تم نے قتل کر دیا تھا، کیا آج اُسی طرح مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ تم یہی چاہتے ہو کہ اِس ملک میں جبار بن کر رہو، تم یہاں مصلح بن کر نہیں رہنا چاہتے[۱۴۸]۔ ۱۸-۱۹

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۴۴۔ موسیٰ علیہ السلام پر یہ بات اللہ تعالیٰ کے اشارے ہی سے کھل گئی تھی، تاہم آج اُسے دوبارہ لڑتے دیکھ کر اُنھیں کوئی شبہ نہیں رہا کہ اصل مجرم یہی شخص ہے جو ہر ایک سے لڑتا رہتا ہے۔

۱۴۵۔ اصل الفاظ ہیں: 'فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ'۔ اِس 'اَنْ' سے پہلے موقع کی مناسبت سے کوئی فعل محذوف ہے۔ ہم نے ترجمے میں اُسے کھول دیا ہے۔

۱۴۶۔ یہ اُس دشمنی کی طرف اشارہ ہے جو قبطیوں کے مظالم کی وجہ سے اُن کے اور اسرائیلیوں کے مابین اُس وقت قومی اعتبار سے قائم ہو چکی تھی۔

۱۴۷۔ یہ شبہ غالباً اِس لیے ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے آتے ہی اُسے جھڑک دیا تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا، اُسے گمان ہوا کہ اُن کا گھونسا آج اُسی پر پڑے گا۔

۱۴۸۔ اِس سے معلوم ہوا کہ یہ آدمی محض شریر ہی نہیں، اِس کے ساتھ نہایت سفلہ بھی تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اِس کی مدد و حمایت کی تو اِس کے نزدیک وہ بہت بڑے مصلح تھے، لیکن جب اُن کی طرف سے خود اِس کو تنبیہ

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ز قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ز قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾

(یہ بات دربار میں پہنچی تو) شہر کے پرلے سرے سے، (جہاں شاہی محلات تھے)، ایک شخص[۱۴۹] دوڑتا ہوا آیا۔ اُس نے بتایا کہ موسیٰ، دربار کے بڑے تمھارے قتل کے مشورے کر رہے ہیں[۱۵۰]، اِس لیے یہاں سے نکل جاؤ۔ یقین کرو، میں تمھارے خیر خواہوں میں سے ہوں[۱۵۱]۔ چنانچہ موسیٰ وہاں سے ڈرتا اور ٹوہ لیتا ہوا نکل کھڑا ہوا۔ (اُس وقت) اُس نے دعا کی کہ میرے پروردگار، مجھے اِن ظالم لوگوں سے نجات عطا فرما دے۔ ۲۰-۲۱

(مصر سے نکل کر) جب موسیٰ نے (بالآخر) مدین کا رخ کیا[۱۵۲] تو (اپنے دل میں) کہا: امید ہے

کا اندیشہ ہوا تو نہایت غیر ذمہ دارانہ طور پر اُس نے کل کے قتل کا راز کھول دیا جو اب تک کسی کے علم میں نہیں تھا اور اُنھیں بھی فوراً ایک مطلق العنان اور بے قابو آدمی قرار دے دیا جو دوسروں پر اپنی دھونس جمانا چاہتا ہے۔

[۱۴۹] یہ غالباً وہی شخص ہے جس کا ذکر آگے سورۂ مومن (۴۰) کی آیت ۲۸ میں ہوا ہے کہ اگرچہ شاہی خاندان میں سے تھا، مگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا۔

[۱۵۰] اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی سے دربار والوں کی نگاہ میں کھٹک رہے تھے۔ لٰہذا اُنھیں جب معلوم ہوا کہ یہ اسرائیلی اب ہمارے لوگوں کو قتل بھی کرنے لگا ہے تو اُن کی آتش غضب پوری طرح بھڑک اٹھی اور وہ اُن کے قتل کے منصوبے بنانے لگے۔

[۱۵۱] یہ وضاحت اُس نے غالباً اِس لیے ضروری سمجھی کہ بدگمانی کی جو فضا اُس وقت قبطیوں اور اسرائیلیوں کے درمیان تھی، اُس میں حضرت موسیٰ یہ خیال نہ کریں کہ اِس خبر کے پیچھے بھی فرعونیوں کی کوئی اسکیم ہے۔

[۱۵۲] یعنی گھر سے نکل کر کچھ سوچا اور پھر فیصلہ کر لیا کہ اِس ہجرت کے لیے فرعون کی سلطنت سے باہر مدین ہی موزوں جگہ ہے۔ خلیج عقبہ کے مشرقی اور مغربی سواحل پر آباد، یہ اُسی قوم کی بستی ہے جس کی طرف

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدۡيَنَ وَجَدَ عَلَيۡهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسۡقُوۡنَ ۟ وَوَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمُ امۡرَاَتَيۡنِ تَذُوۡدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطۡبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسۡقِىۡ حَتّٰى يُصۡدِرَ الرِّعَآءُ ٜ سکتۃ وَاَبُوۡنَا شَيۡخٌ كَبِيۡرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىۡ

کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ دکھائے گا[۱۵۳]۔ (چنانچہ چلتے چلتے) جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ وہاں لوگوں کی ایک بھیڑ لگی ہے اور وہ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ اُن سے الگ دو عورتیں ہیں جو اپنے گلے کو روکے کھڑی ہیں[۱۵۴]۔ اُس نے پوچھا: تمھارا کیا ماجرا ہے[۱۵۵]؟ اُنھوں نے کہا: ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں، جب تک یہ چرواہے اپنے جانور نہ ہٹا لیں۔ اور (اِس کام کے لیے ہمیں ہی آنا پڑتا ہے، اِس لیے کہ) ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں[۱۵۶]۔ یہ سن کر موسیٰ نے اُن دونوں کی خاطر اُن کے گلے کو پانی پلا دیا۔ پھر ہٹ کر سایے کی

حضرت شعیب مبعوث ہوئے تھے۔ اِس کا محل وقوع خلیج عقبہ کے مغربی ساحل پر مقنا سے چند میل بجانب شمال بتایا جاتا ہے۔

۱۵۳۔ یعنی ٹھیک اُس راستے پر ڈال دے گا جو مجھے میری منزل مقصود تک پہنچا دے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے مدین کا رخ تو کر لیا تھا، لیکن ابھی کچھ معلوم نہیں تھا کہ مدین میں کہاں اور کس کے پاس جانا ہے۔ بس خدا کے بھروسے پر گھر سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ آگے کے واقعات سے واضح ہے کہ یہی بھروسا اُن کا ہاتھ پکڑ کر اُنھیں ٹھیک اُسی مقام پر لے گیا، جہاں اُنھیں جانا چاہیے تھا۔

۱۵۴۔ اصل میں لفظ ’تَذُوْدٰنِ‘ استعمال ہوا ہے۔ اِس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اُن کا گلہ تو گھاٹ پر پہنچ کر پانی پینے کے لیے زور لگا رہا تھا، لیکن وہ زبردستی اُسے پیچھے ہٹا رہی تھیں۔

۱۵۵۔ اصل میں ’مَا خَطْبُکُمَا‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن کا حق ادا کیجیے تو گویا مدعا یہ ہے کہ تم عورتیں ہو، آخر کیا افتاد پیش آئی ہے کہ خود اپنا گلہ لے کر نکلی ہو اور اب اُسے یہاں روکے کھڑی ہو۔

۱۵۶۔ یعنی والد بوڑھے ہیں اور گھر میں کوئی دوسرا مرد بھی نہیں ہے، اِس لیے آتی ہیں۔ لیکن مردوں کی بھیڑ میں گھسنا مشکل ہوتا ہے، لہٰذا انتظار کرتی ہیں کہ چرواہے ہٹیں تو اپنے جانوروں کو آگے لائیں۔

لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ ز قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ط فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ لا قَالَ لَا تَخَفْ قف نَجَوْتَ

طرف آیا[١٥٧] اور دعا کی کہ میرے پروردگار، اِس وقت جو خیر بھی تو میرے لیے اتار دے، میں اُس کا حاجت مند ہوں[١٥٨]۔ ۲۲-۲۴

پھر (زیادہ دیر نہیں گزری کہ) اُن میں سے ایک شرماتی ہوئی اُس کے پاس چل کر آئی اور کہنے لگی: میرے والد[١٥٩] آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ ہماری خاطر آپ نے جو پانی پلایا ہے، اُس کا صلہ آپ کو دیں[١٦٠]۔ (موسیٰ چل پڑا)، پھر جب اُس کے والد کے پاس پہنچا[١٦١] اور اپنا سارا قصہ اُسے سنایا تو اُس

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

١٥٧۔ یعنی اگرچہ سخت مشکل اور پریشانی سے دوچار تھے، مگر اُس کے اظہار کے لیے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا اور جس سایے سے اٹھ کر کم زوروں کی حمایت کے لیے گئے تھے، اُسی میں آکر بیٹھ گئے۔

١٥٨۔ یہ ایسی دعا ہے کہ روح میں اہتزاز پیدا کر دیتی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”...اِس دعا کی بلاغت کی تعبیر سے زبان قلم قاصر ہے۔ صرف اہل ذوق ہی اِس کو سمجھ سکتے ہیں۔ چونکہ یہ دعا بالکل صحیح وقت پر، صحیح جذبے کے ساتھ اور بالکل صحیح الفاظ میں زبان سے نکلی، اِس وجہ سے اِس کا اثر بلا کسی تاخیر کے ظاہر ہوا۔ صاحب زادیوں نے حضرت موسیٰ کے اِس احسان کا ذکر اپنے باپ سے کیا اور اِس طرح حضرت موسیٰ کے لیے اُس خیر کی راہ کھل گئی جس کے لیے اُنھوں نے دعا فرمائی تھی۔“ (تدبر قرآن ٥/٦٦٩)

١٥٩۔ یہ بزرگ مدین کے کاہن تھے۔ بائیبل میں اِن کا نام ایک جگہ رعوایل اور دوسری جگہ یترو بیان کیا ہے۔ تالمودی لٹریچر میں ایک اور نام حوباب بھی نقل ہوا ہے۔ اِن میں سے یترو کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اِن کا نام نہیں، بلکہ لقب تھا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدیان کی اولاد میں سے تھے۔ چنانچہ قیاس یہی ہے کہ حضرت موسیٰ کی طرح یہ بھی دین ابراہیمی کے پیرو تھے۔

١٦٠۔ بائیبل میں مزید تفصیل ہے کہ اُس روز لڑکیاں معمول کے خلاف وقت سے پہلے فارغ ہو کر گھر پہنچ گئیں تو باپ نے اِس کا سبب معلوم کرنا چاہا۔ اُنھوں نے بتایا کہ آج ایک مسافر نے ہمارے گلے کو خود بھر کر پانی

مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۵﴾

قَالَتۡ اِحۡدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُۚ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ ﴿۲۶﴾

نے تسلی دی کہ اب اندیشہ نہ کرو، تم ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہو[۱۶۲]۔ ۲۵

اُن عورتوں میں سے ایک نے (یہ سب دیکھا تو ایک موقع پر اپنے باپ سے) کہا[۱۶۳]: ابا جان، اِسے ملازم رکھ لیجیے، اِس لیے کہ بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں، وہی ہو سکتا ہے جو قوی اور امانت دار ہو[۱۶۴]۔ ۲۶

پلا دیا ہے۔ اِس پر باپ نے فرمایا کہ تم نے اُسے چھوڑ کیوں دیا؟ جا کر اُسے بلاؤ کہ ہمارے ہاں روٹی کھائے۔

آیت میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن نے چرواہوں کی بھیڑ سے لڑکیوں کے الگ کھڑے ہونے اور موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے شرماتے ہوئے آنے کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے۔ یہ اُن کے شریفانہ اطوار کی تصویر ہے جس کی طرف قرآن توجہ دلانا چاہتا ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۱۶۱۔ اِس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اِسے اپنی دعا کی قبولیت اور تائید غیبی سمجھا اور بغیر کسی تردد کے فوراً اُس کے ساتھ ہو لیے۔ یہ سن لینے کے باوجود کہ اُنھیں ایک ذرا سی خدمت کا بدلہ دینے کے لیے بلایا جا رہا ہے، اُنھوں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اِس موقع پر خواہ مخواہ خودداری کا مظاہرہ کریں اور اُن کے پروردگار نے جو سامان میز بانی فراہم کر دیا ہے، اُسے رد کر دیں۔

۱۶۲۔ یہ ٹھیک اُس دعا کی قبولیت کی بشارت تھی جو موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے نکلتے ہوئے کی تھی کہ 'رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ' (پروردگار، تو مجھے اِن ظالم لوگوں سے نجات عطا فرما دے)۔

۱۶۳۔ آیت کے اسلوب سے واضح ہے کہ یہ لڑکی وہ نہیں تھی جو موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھی، بلکہ دوسری تھی۔

۱۶۴۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی کے والد غالباً پہلے ہی سے اپنے گھر اور جایداد کی دیکھ بھال کے لیے کسی موزوں آدمی کی تلاش میں تھے۔ چنانچہ اُس نے سفارش کر دی اور سفارش کے وجوہ بھی بیان کر دیے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... جہاں تک جسمانی صحت و قوت کا تعلق ہے، یہ ایک ایسی کھلی ہوئی چیز ہے کہ آدمی بہ یک نظر اِس کا

قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۲۸﴾

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ

اُس کے باپ نے موسیٰ سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی اِن دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمھارے ساتھ کر دوں، بشرطیکہ تم آٹھ سال میری ملازمت کرو۔ پھر اگر دس سال ہی پورے کر دو تو یہ تمھاری مرضی ہے۔ میں تم پر کوئی مشقت نہیں ڈالنا چاہتا[۱۶۵]۔ خدا نے چاہا تو آگے تم مجھے ایک بھلا آدمی پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا: (ٹھیک ہے)، یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی۔ میں اِن دونوں میں سے جو مدت بھی پوری کر دوں، اُس کے بعد مجھ پر کوئی جبر نہیں ہے اور جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں، اُس پر اللہ گواہ ہے۔ ۲۷-۲۸

پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے اہل و عیال کو لے کر (وہاں سے) روانہ ہوا تو طور کی جانب سے اُسے ایک آگ سی دکھائی دی[۱۶۶]۔ اُس نے اپنے گھر والوں سے کہا: مجھے آگ دکھائی

انداز ہ کر سکتا ہے، لیکن امانت و دیانت کا تعلق کردار سے ہے جس کا صحیح صحیح اندازہ تجربے سے ہوتا ہے۔ یہ تجربہ عام حالات میں تو بہت دیر میں ہوتا ہے، لیکن بعض حالات میں بالکل بادل وہلہ ہو جاتا ہے۔ آدمی کی پیشانی اور اُس کی نگاہیں گواہی دیتی ہیں کہ یہ کس کردار کا آدمی ہے۔'' (تدبر قرآن ۵/ ۶۷۰)

[۱۶۵] یعنی تمھیں ایسی کسی بات کا پابند نہیں کرنا چاہتا جو تمھیں منظور نہ ہو، اِس لیے تم اچھی طرح غور کر کے فیصلہ کر سکتے ہو۔

[۱۶۶] اصل میں لفظ 'اٰنَسَ' استعمال ہوا ہے۔ اِس سے یہ بات نکلتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے آگ کا کوئی

لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ

دی ہے، تم لوگ ذرا ٹھیرو کہ وہاں سے میں تمھارے پاس (رستے کی) کوئی خبر یا آگ کا کوئی انگارا ہی لے آؤں تاکہ (اِس سردی میں) تم اُسے تاپ سکو[۱۶۷]۔ ۲۹

پھر جب موسیٰ وہاں پہنچا تو وادی ایمن کے کنارے سے، اُس مبارک خطے میں[۱۶۸]، اُس کو درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ، میں ہوں اللہ، جہانوں کا پروردگار[۱۶۹] اور یہ بھی کہ اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دو۔ پھر جب موسیٰ نے دیکھا کہ لاٹھی بل کھا رہی ہے، گویا کہ سانپ ہے تو پیٹھ

جلتا ہوا الاؤ نہیں، بلکہ ایک شعلہ سا دیکھا تھا جو اچانک چمکا اور غائب ہو گیا اور اُن کے سوا شاید کسی اور کو نظر بھی نہیں آیا۔

[۱۶۷] اِس سے معلوم ہوا کہ رات کا وقت تھا اور اُنھیں راستے کا بھی کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

[۱۶۸] یعنی مبارک وادی کے کنارے سے جو طور کے مبارک خطے میں تھی۔ اِنھیں مبارک اِس لیے کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام یہاں اپنے پروردگار کی تجلی اور اُس کے کلام سے نوازے گئے۔ اللہ تعالیٰ زمین کے کسی ٹکڑے یا کسی علاقے کو اپنے نور و ظہور کے لیے منتخب کر لیں تو وہ یقیناً مبارک ہو گا اور اُس کے قدوسیوں کی جلوہ گاہ بن جائے گا۔ 'الْوَاد' اور 'الْبُقْعَة' کے لیے آیت میں یہ صفات اِسی حقیقت کی وضاحت کے لیے آئی ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو آواز سنی، وہ ایک متعین جہت سے اور متعین درخت سے آئی تھی، جہاں کسی شیطان کے لیے دراندازی کا کوئی امکان نہ تھا۔

[۱۶۹] سورۂ نمل (۲۷: ۹) میں اِس مقام پر 'اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ گویا اِسی 'رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ' کی صفت کو اُس کے مضمرات کے لحاظ سے بیان کر دیا ہے۔

الْاٰمِنِيْنَ ۝۳۱ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ز وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۳۲

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝۳۳ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ

پھیر کر بھاگا اور اُس نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا[۱۷۰]۔ فرمایا: موسیٰ، آگے آؤ اور ڈرو نہیں، تم بالکل مامون ہو۔ اپنا ہاتھ ذرا اپنے گریبان میں ڈالو، وہ بغیر کسی مرض کے[۱۷۱] سفید (چمکتا ہوا) نکلے گا اور اِس کے لیے اپنا بازو اپنی طرف سکیڑ لو، جس طرح خوف سے سکیڑتے ہیں[۱۷۲]۔ سو تیرے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اُس کے درباریوں کے پاس جانے کے لیے یہ دو نشانیاں[۱۷۳] ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں[۱۷۴]۔ **۳۰-۳۲**

موسیٰ نے عرض کیا کہ میرے پروردگار، میں تو اُن کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں، اِس لیے ڈرتا

---

[۱۷۰] یہ اُس فطری ردعمل کا بیان ہے جو رات کی تاریکی میں کسی سنسان جگہ پر اِس طرح کے کسی منظر کو دیکھ کر کسی شخص سے صادر ہو سکتا ہے۔

[۱۷۱] یہ اضافہ صاف واضح کر رہا ہے کہ یہاں بائیبل کی تردید مقصود ہے جس میں ہاتھ کی سفیدی کو برص بتایا گیا ہے۔

[۱۷۲] اصل میں 'مِنَ الرَّهْبِ' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی 'ضمک من الرهب'۔ یہ اُسی طرح کا اسلوب ہے، جیسے دوسرے مقامات میں 'مِنَ الذُّلِّ' یا 'مِنَ الرَّحْمَةِ' وغیرہ کے اسالیب ہیں۔

[۱۷۳] اصل الفاظ ہیں: 'فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ'۔ اِن میں 'اِلٰى' سے پہلے ایک فعل حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ عربی زبان کا عام اسلوب ہے جس کی متعدد مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

[۱۷۴] یہ وجہ بتائی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اِن غیر معمولی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اُس کے درباریوں کی طرف کیوں بھیجا جا رہا ہے۔

اَفۡصَحُ مِنِّیۡ لِسَانًا فَاَرۡسِلۡهُ مَعِیَ رِدۡاً یُّصَدِّقُنِیۡۤ ۫ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ ﴿۳۴﴾
قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیۡکَ وَ نَجۡعَلُ لَکُمَا سُلۡطٰنًا فَلَا یَصِلُوۡنَ اِلَیۡکُمَا ۚۛ
بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنۡتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَکُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۳۵﴾

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّفۡتَرًی وَّ مَا
سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۶﴾

ہوں کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ اور میرا بھائی، ہارون، اُس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے، سو اُس کو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیجیے وہ میری تائید کرے[۱۷۵]، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ فرمایا: ہم تمھارے بھائی کو تمھارے لیے قوت بازو بنائیں گے اور تم دونوں کو ایسا دبدبہ عطا کریں گے کہ وہ تم تک پہنچ نہ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کے ساتھ جاؤ[۱۷۶]، تم دونوں اور جو تمھاری پیروی کریں گے، وہی غالب رہیں گے۔ ۳۳-۳۵

پھر جب موسیٰ ہماری اِن واضح نشانیوں کے ساتھ اُن کے پاس آیا تو اُنھوں نے کہہ دیا کہ یہ تو محض گھڑا ہوا جادو ہے اور اِس طرح کی بات ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں میں تو کبھی سنی ہی نہیں[۱۷۷]۔ ۳۶

۱۷۵۔ یہودی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون علیہ السلام اپنی قوم میں فصاحت بیان کے لیے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ اُن کے ہاں یہ کمی ہے، اِس کی تلافی کے لیے اُن کے بھائی کو اُن کا مددگار بنا دیا جائے۔

۱۷۶۔ اصل میں 'بِاٰیٰتِنَا' کا لفظ آیا ہے۔ ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ اِس سے پہلے ایک فعل محذوف مانا جائے۔

۱۷۷۔ یعنی حضرت موسیٰ کی یہ بات کہ میں رب العٰلمین کا رسول ہوں اور مجھے اِس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں اُس کے پیغامات تمھیں پہنچا دوں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

موسیٰ نے جواب دیا: میرا پروردگار خوب جانتا ہے اُس کو بھی جو اُس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور اُس کو بھی جس کے لیے اگلے گھر کا اچھا انجام ہے۔ (اُس کے منکرین اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں اور)[۱۷۸] حق یہ ہے کہ اِس طرح کے ظالم کبھی فلاح نہ پائیں گے[۱۷۹]۔ ۳۷

فرعون نے کہا: دربار کے لوگو، میں تو اپنے سوا تمھارے لیے کسی اور معبود سے واقف نہیں ہوں[۱۸۰]۔ اچھا تو اے ہامان، تم میرے لیے مٹی کی اینٹوں کا پزاوہ لگواؤ اور ایک اونچا محل میرے لیے بنواؤ تاکہ موسیٰ کے خدا کو میں (آسمان میں) جھانک کر دیکھوں، اور میں تو اِسے ایک جھوٹا آدمی سمجھتا ہوں۔ ۳۸

فرعون اور اُس کے لشکروں نے زمین میں ناحق گھمنڈ کیا اور خیال کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں

---

[۱۷۸] یہ مقابل کا جملہ ہے جو اصل میں بربنائے قرینہ محذوف ہے۔

[۱۷۹] نہایت بلیغ اور شستہ اسلوب میں یہ اُس نتیجے کا اعلان ہے جو حق و باطل کی اُس کشمکش کا نکلنے والا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد مصر میں برپا ہو گئی تھی۔

[۱۸۰] یعنی زمین و آسمان کا کوئی خالق ہے تو ہوا کرے، تمھارا معبود تو میں ہی ہوں۔ فرعون نے یہ بات اِس لیے کہی کہ مصر میں اُسے سورج دیوتا کا اوتار سمجھا جاتا تھا۔ تاہم یہ کوئی سنجیدہ بات نہیں تھی، بلکہ محض استہزا کا جملہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام کی تحقیر کے لیے کہا گیا۔ اِسی طرح آگے کا جملہ بھی محل بنوانے کا کوئی سنجیدہ حکم نہیں ہے۔ فراعنہ و متمردین عہد رفتہ کے ہوں یا دورِ حاضر کے، ہمیشہ اسی طرح حقائق کا مذاق اڑاتے رہے ہیں۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾
وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ
هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ

لوٹائے جائیں گے[۱۸۱]۔ آخر اُسے اور اُس کے لشکروں کو ہم نے پکڑا، پھر اُنھیں سمندر میں پھینک دیا تو دیکھ لو کہ اِن ظالموں کا انجام کیسا ہوا[۱۸۲]۔ ہم نے اُنھیں (ڈھیل دی اور) ایسے پیشوا بنا دیا کہ جہنم کی طرف بلاتے رہے[۱۸۳]۔ قیامت کے دن اب اُن کی کوئی مدد نہ ہو گی۔ ہم نے اِس دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن وہی خوار ہونے والوں میں ہوں گے۔ ۳۹-۴۲

اگلی بہت سی امتوں کو ہلاک کر دینے کے بعد ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی[۱۸۴]، لوگوں کے لیے

۱۸۱۔ یعنی اِس وجہ سے گھمنڈ کیا کہ وہ خدا کے سامنے کسی جواب دہی کا گمان نہیں رکھتے تھے۔

۱۸۲۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی بھی ہے اور آپ کے مخاطبین کے لیے تذکیر و تنبیہ بھی کہ اِس وقت جو دعوت برپا ہے، اُس کا نتیجہ بھی یہی نکلنے والا ہے۔

۱۸۳۔ آیت میں لفظ 'اَئِمَّةً' کے ساتھ 'جَعَلْنَا' کا فعل ہے۔ یہ 'أمهلنا' کے مفہوم پر متضمن ہے اور 'يَدْعُوْنَ' سے پہلے فعل ناقص عربیت کے اسلوب پر حذف کر دیا گیا ہے۔ ہم نے ترجمے میں یہ چیزیں ملحوظ رکھی ہیں۔

۱۸۴۔ یہ اِس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں کی طرف رسول بھیجے، لیکن اُن میں سے کوئی قوم بھی اُس دعوت کی علم بردار بن کر کھڑی نہیں ہوئی جو رسولوں کی طرف سے اُن کے سامنے پیش کی گئی۔ چنانچہ اتمام حجت کے بعد سب ہلاک کر دی گئیں۔ اِس کے بعد نبوت کا دوسرا دور شروع ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کو یہ توفیق دی کہ وہ اپنے پیغمبر پر ایمان لائیں اور فلسطین کی سرزمین میں دعوت حق کا ایک مرکز قائم کر کے عالمی سطح پر اتمام حجت کا اہتمام کریں۔ اُن کا یہی منصب تھا جس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے اُنھیں تورات کی صورت میں ایک باقاعدہ کتاب دی گئی۔

لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾
وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ
الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ
اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ
الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ

بصیرتوں کا سامان اور ہدایت و رحمت بنا کر[185] تاکہ وہ یاد دہانی حاصل کریں۔ ۴۳

ہم نے جب موسیٰ کو اپنے اِس فیصلے سے آگاہ کیا[186]، (اے پیغمبر)، تو نہ تم طور کے مغربی جانب موجود تھے اور نہ اِس واقعے کو دیکھنے والوں میں شامل تھے[187]۔ لیکن ہم نے بہت سی نسلیں اٹھائیں، پھر اُن پر ایک زمانہ گزر گیا (اور وہ ہماری یاد دہانی کو بھلا بیٹھے تو خدا کی عنایت سے اب تمھی یاد دلا رہے ہو)۔ تم مدین والوں کے درمیان بھی موجود نہ تھے، اُن کو ہماری آیتیں سناتے ہوئے، لیکن ہم فیصلہ کر چکے تھے کہ تمھیں رسول بنائیں۔ (سو اُن کے واقعات بھی سنا رہے ہو)۔ اور تم طور کے پہلو میں بھی موجود نہ تھے، جب ہم نے موسیٰ کو پکارا تھا، لیکن اپنے پروردگار کی رحمت سے تم اُس سے بھی آگاہ کیے گئے، اِس لیے کہ اُن لوگوں کو خبردار کرو جن کے پاس تم سے پہلے

۱۸۵۔ یعنی دنیا کی زندگی میں ہدایت اور آخرت میں خدا کی رحمت و عنایت۔ یہ دونوں لفظ واحد ہیں، لیکن اِن سے پہلے لفظ ’بَصَآئِر‘ آیت میں جمع استعمال ہوا ہے۔ اِس سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ خدا کی یہ کتاب ایسی آیات اور ایسے دلائل پر مشتمل تھی جن سے لوگوں کی آنکھیں کھل سکتی تھیں۔

۱۸۶۔ آیت میں تضمین ہے۔ چنانچہ ’قَضَيْنَا‘ میں ’عَهِدْنَا‘ کا مفہوم بھی شامل ہو گیا ہے، جیسے ’عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ‘۔

۱۸۷۔ اِس سے حضرت موسیٰ کی قوم کے لوگ مراد ہیں جو اُن کے ساتھ طور کے دامن میں موجود تھے۔

مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٦﴾

کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں[۱۸۸]۔ ۴۴-۴۶

۱۸۸۔ اِن آیتوں میں بعض فقرے دلالت قرینہ کی بنا پر حذف کر دیے گئے ہیں۔ ہم نے ترجمے میں اُنھیں کھول دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اِس کے باوجود کہ تم نے یہ واقعات اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے، لیکن اِن کا آنکھوں دیکھا حال اِن لوگوں کو سنا رہے ہو اور اِس طرح سنا رہے ہو کہ لوگ جو کچھ جانتے ہیں، اُس کی تصحیح بھی ہو رہی ہے تو یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ تمھاری زبان پر اُس ہستی کا کلام جاری ہوا ہے جس کی نگاہوں سے ماضی، حال اور مستقبل کی کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں ہے۔ یہ اگر سمجھنا چاہیں تو تنہا یہی بات اِن کو یہ سمجھانے کے لیے کافی ہے کہ تم خدا کے رسول ہو اور تم پر یہ کلام تمھارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ جن لوگوں کے سامنے یہ بات کہی گئی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز سے واقف تھے اور خوب جانتے تھے کہ اِن معلومات کے لیے آپ کے پاس وحی الٰہی کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن نے اپنے من جانب اللہ ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے پر جو دلائل دیے ہیں، اُن میں سے یہ ایک بڑی دلیل ہے جو کئی دوسرے مقامات پر بھی پیش کی گئی ہے۔

[باقی]

معارف نبوی

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: ڈاکٹر محمد عامر گزدر

ایک فیاض حکمران کی پیش گوئی

— ۱ —

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ:[1] قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ[2] خَلِيفَةٌ يَقْسِمُ[3] الْمَالَ وَلَا يَعُدُّهُ». وَعَنْهُ فِي لَفْظٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَكُونُ بَعْدِي خَلِيفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ حَثْيًا، وَلَا يَعُدُّهُ عَدًّا»[4]. وَجَاءَ فِي طَرِيقٍ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «مِنْ خُلَفَائِكُمْ خَلِيفَةٌ يَحْثُو الْمَالَ حَثْيًا، لَا يَعُدُّهُ عَدَدًا»[5].

ابو سعید خدری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانے میں[1] ایک حکمران ہو گا جو مال کو بغیر گنے لوگوں میں تقسیم کرے گا۔[2] ابو سعید ہی سے ایک طریق میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد ایک ایسا حکمران ہو گا جو (لوگوں کو) خوب مال عطا کرے گا، اُس کی گنتی تک نہیں کرے گا۔ اور ایک طریق میں اُنھی سے آپ کے یہ الفاظ روایت ہوئے ہیں: تمھارے حکمرانوں میں سے ایک حکمران ایسا ہو گا جو (لوگوں کو) خوب بھر بھر

کر مال دے گا، اُس کو شمار تک نہیں کرے گا۔

۱۔ اصل میں لفظ 'الزَّمَان' آیا ہے۔ اِس پر الف لام عہد کا ہے، یعنی میرے زمانے کے آخر میں۔ آگے 'یَكُونُ بَعْدِي' کے الفاظ میں اِس کی وضاحت ہو گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ زمانہ در حقیقت آپ کے صحابہ کا زمانہ تھا، جس کے آخر میں معاویہ بن ابی سفیان مسلمانوں کے خلیفہ ہوئے۔

۲۔ یہ غالباً سیدنا معاویہ ہی کی طرف اشارہ ہے، جن کی فیاضی کے واقعات تاریخ کی کتابوں میں جگہ جگہ دیکھ لیے جا سکتے ہیں۔

متن کے حواشی

www.javedahmedghamidi.com

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۲۹۱۴ سے لیا گیا ہے۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے متابعات اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۶۴۰۔ مسند احمد، رقم ۱۱۰۱۲، ۱۱۳۳۹، ۱۱۴۵۶، ۱۱۵۸۱، ۱۴۵۶۷۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۱۴۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۱۲۱۶، ۱۲۹۴۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۴۰۱۔

۲۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۴۰۱ میں یہاں 'آخِرِ الزَّمَانِ' "آخری زمانے" کے بجاے 'آخِرِ هَذِهِ الْأُمَّةِ' "اِس گروہ کے آخری دور" کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

۳۔ مسند احمد، رقم ۱۱۰۱۲ میں یہاں 'يَقْسِمُ' کے بجاے 'يُعْطِي' کا لفظ آیا ہے۔ معنی کے اعتبار سے دونوں مترادف ہیں۔

۴۔ مسند احمد، رقم ۱۱۴۵۶۔

۵۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۱۴۔

— ۲ —

عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، قَالَ:[۱] كُنَّا عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ: يُوشِكُ أَهْلُ الْعِرَاقِ أَنْ لَا يُجْبَى إِلَيْهِمْ قَفِيزٌ وَلَا دِرْهَمٌ، قُلْنَا: مِنْ أَيْنَ ذَاكَ؟ قَالَ: مِنْ

قِبَلِ الْعَجَمِ، يَمْنَعُونَ ذَاكَ، ثُمَّ قَالَ: يُوشِكُ أَهْلُ الشَّأْمِ أَنْ لَا يُجْبَى إِلَيْهِمْ دِينَارٌ وَلَا مُدْيٌ، قُلْنَا: مِنْ أَيْنَ ذَاكَ؟ قَالَ: مِنْ قِبَلِ الرُّومِ [يَمْنَعُونَ ذَاكَ،[٢]] ثُمَّ سَكَتَ هُنَيَّةً، ثُمَّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي خَلِيفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ حَثْيًا، لَا يَعُدُّهُ عَدَدًا».

ابونضرہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم جابر بن عبد اللہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اُنھوں نے کہا: وہ وقت قریب ہے کہ اہل عراق کے پاس کوئی قفیر (پیمانہ) آئے گا، نہ کوئی درہم۔ ہم نے پوچھا: ایسا کہاں سے ہو گا؟ اُنھوں نے کہا: عجم کی طرف سے، وہ اِس کو روک لیں گے۔ پھر کہا: عنقریب اہل شام کے پاس کوئی دینار آئے گا، نہ کوئی مدی (پیمانہ)۔ ہم نے پوچھا: ایسا کہاں سے ہو گا؟ اُنھوں نے کہا: روم کی جانب سے، وہ اِس کو روک لیں گے۔[١] پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُنھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری اِس امت کے آخری زمانے میں[٢] ایک حکمران ہو گا جو (لوگوں کو) خوب مال عطا کرے گا، اُس کو شمار تک نہیں کرے گا۔

١۔ یہ اُس صورت حال کی طرف اشارہ ہے، جب سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ وجدال کے بعد سے فتوحات کا سلسلہ بالکل رک گیا تھا اور نئے علاقوں سے کوئی محاصل حکومت کے مراکز میں نہیں پہنچ رہے تھے۔

٢۔ یعنی دورِ صحابہ کے آخر میں۔ لفظ 'أمة' سے یہاں وہی مراد ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی جماعت کے لیے یہ لفظ قرآن وحدیث، دونوں میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو: البقرہ ٢: ١٤٣، آل عمران ٣: ١١٠۔

متن کے حواشی

١۔ اِس روایت کا متن اصلاً صحیح مسلم، رقم ٢٩١٣ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند احمد، رقم ١٤٤٠٦۔ صحیح مسلم، رقم ٢٩١٣۔ صحیح ابن حبان، رقم ٦٦٨٢۔ مستدرک

حاکم، رقم ۸۴۰۰۔ السنن الواردۃ فی الفتن، دانی، رقم ۵۶۹۔ البعث والنشور، بیہقی، رقم ۴۷۔

۲۔ مسند احمد، رقم ۱۴۴۰۶۔

المصادر والمراجع

ابن أبي شيبة أبو بكر عبد الله بن محمد العبسي. (١٤٠٩هـ). **المصنف في الأحاديث والآثار**. ط١. تحقيق: كمال يوسف الحوت. الرياض: مكتبة الرشد.

ابن حبان أبو حاتم محمد بن حبان البُستي. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **الصحيح**. ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **تقريب التهذيب**. ط١. تحقيق: محمد عوامة. سوريا: دار الرشيد.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٤هـ/١٩٨٤م). **تهذيب التهذيب**. ط١. بيروت: دار الفكر.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (٢٠٠٢م). **لسان الميزان**. ط١. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. د.م: دار البشائر الإسلامية.

أبو يعلى أحمد بن علي التميمي الموصلي. (١٤٠٤هـ/١٩٨٤م). **المسند**. ط١. تحقيق: حسين سليم أسد. دمشق: دار المأمون للتراث.

أحمد بن محمد بن حنبل أبو عبد الله الشيباني. (١٤٢١هـ/٢٠٠١م). **المسند**. ط١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط، وعادل مرشد، وآخرون. بيروت: مؤسسة الرسالة.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤٣٦هـ/٢٠١٥م). **البعث والنشور**. ط١. تحقيق: أبو عاصم الشوامي الأثري. الرياض: مكتبة دار الحجاز للنشر والتوزيع.

الحاكم أبو عبد الله محمد بن عبد الله النيسابوري. (١٤١١هـ/١٩٩٠م). **المستدرك على الصحيحين**. ط١. تحقيق: مصطفى عبد القادر عطاء. بيروت: دار الكتب العلمية.

الداني أبو عمرو عثمان بن سعيد. (١٤١٦م). **السنن الواردة في الفتن وغوائلها والساعة وأشراطها**. ط١. تحقيق: د. رضاء الله بن محمد إدريس المباركفوري. الرياض: دار العاصمة.

الذهبي شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **سير أعلام النبلاء**. ط٣.

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

تحقيق: مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرنؤوط. د.م: مؤسسة الرسالة.

الذهبي شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد. (١٤١٣هـ/١٩٩٢م). **الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة**. ط١. تحقيق: محمد عوامة أحمد محمد نمر الخطيب. جدة: دار القبلة للثقافة الإسلامية–مؤسسة علوم القرآن.

المزي أبو الحجاج يوسف بن الزكي عبدالرحمٰن. (١٤٠٠هـ/١٩٨٠م). **تهذيب الكمال في أسماء الرجال**. ط١. تحقيق : د. بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم بن الحجاج النيسابوري. (د.ت). **الجامع الصحيح**. د.ط. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

موسى شاهين لاشين. (١٤٢٣هـ/٢٠٠٢م). **فتح المنعم شرح صحيح مسلم**. ط١. القاهرة: دار الشروق.

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: محمد حسن الیاس

جنت کی حور

[نظر ثانی کے بعد دوبارہ اشاعت]

— ۱ —

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ[۱]، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُورَتُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، [وَالَّذِينَ عَلَى آثَارِهِمْ كَأَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ إِضَاءَةً][۲] لَا يَبْصُقُونَ فِيهَا، وَلَا يَمْتَخِطُونَ وَلَا يَتَغَوَّطُونَ آنِيَتُهُمْ فِيهَا الذَّهَبُ أَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَمَجَامِرُهُمُ الْأَلُوَّةُ [الْأَنْجُوجُ عُودُ الطِّيبِ][۳] وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَان [مِنَ الْحُورِ الْعِينِ][۴] يُرَى مُخُّ سُوقِهِمَا مِنْ وَرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ [كَمَا يُرَى الشَّرَابُ الْأَحْمَرُ فِي الزُّجَاجَةِ الْبَيْضَاءِ][۵]، [وَمَا فِي الْجَنَّةِ أَعْزَبُ][۶] لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ، وَلَا تَبَاغُضَ، قُلُوبُهُمْ قَلْبٌ وَاحِدٌ[۷] يُسَبِّحُونَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا[۸]».

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلا

گروہ جو جنت میں داخل ہوگا، اُن کی صورتیں ایسی روشن ہوں گی، جیسے چودھویں کا چاند روشن ہوتا ہے، پھر اُن کے بعد جو لوگ داخل ہوں گے، وہ آسمان کے سب سے زیادہ روشن ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ وہ نہ تھوکیں گے، نہ اُن کی ناک سے رطوبت نکلے گی اور نہ بول و براز کی ضرورت لاحق ہوگی۔ اُن کے برتن سونے کے ہوں گے، یہاں تک کہ کنگھے بھی سونے چاندی کے ہوں گے۔ اُن کی انگیٹھیوں میں نہایت پاکیزہ اور خوشبودار عود سلگتا ہوگا اور اُن کا پسینہ مشک کی طرح ہوگا۔ اُن میں سے ہر ایک کی دو، دو بیویاں ہوں گی، آہو چشم گوریوں میں سے، جن کی پنڈلیوں کا گودا اُن کے حُسن کی وجہ سے گوشت کے اوپر ایسا دکھائی دے گا، جیسے سفید پیمانے میں سرخ شراب دکھائی دے[1]۔ جنت میں کوئی بھی کنوارا نہ ہوگا۔ اُن کا آپس میں کوئی اختلاف نہ ہوگا اور نہ بغض و عناد، اُن کے دل بالکل ایک ہوں گے۔ وہ صبح و شام وہاں اللہ کی تسبیح و تہلیل میں مشغول رہیں گے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۱۔ اِن آہو چشم گوریوں کا ذکر قرآن میں بھی کئی مقامات پر ہوا ہے۔ یہ الگ سے پیدا کی جائیں گی یا اِسی دنیا کی عورتوں کو اعادۂ خلق کے بعد یہ صورت دے دی جائے گی، بظاہر یہ دوسری بات ہی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ تاہم اصل حقیقت اللہ کے علم میں ہے اور وہ قیامت ہی میں سامنے آئے گی۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح بخاری، رقم ۳۰۲۴ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت درج ذیل مصادر میں نقل ہوئی ہے:

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم ۸۶۔ جامع معمر بن راشد، رقم ۱۴۸۶، ۱۴۹۸۔ مسند عبد اللہ بن مبارک، رقم ۱۱۵۔ مسند حمیدی، رقم ۱۰۹۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۳۳۰۲، ۳۵۳۱۱۔ مسند اسحٰق بن راہویہ، رقم ۱۴۶۔ مسند احمد، رقم ۶۹۹۲، ۷۲۰۱، ۷۲۵۶، ۷۹۹۹، ۱۰۳۰۴، ۱۰۳۷۵۔ سنن دارمی، رقم ۲۷۴۴۔ صحیح بخاری، رقم ۳۰۲۵، ۳۰۳۲، ۳۱۰۰۔ سنن ترمذی، رقم ۲۴۷۷۔ صحیح مسلم، رقم ۵۰۶۷، ۵۰۶۸، ۵۰۶۹، ۶۵۰۶۔ سنن ابن ماجہ رقم،

۴۳۳۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۷۵۸۰، ۷۵۹۶، ۷۵۹۷۔ مسند شامیین، طبرانی، رقم ۱۲۷، ۳۲۳۹۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۶۵۹۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی نقل ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: مسند بزار، رقم ۱۶۰۰۔

۲۔ صحیح بخاری، رقم ۳۰۳۲۔

۳۔ صحیح بخاری، رقم ۳۱۰۰۔

۴۔ صحیح بخاری، رقم ۳۰۳۲۔ اِس مضمون کی بعض دوسری روایات میں 'لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ' کے بجاے 'وَأَزْوَاجُهُمُ الْحُورُ الْعِينُ' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں، یعنی اُن کی بیویاں آہو چشم گوریاں ہوں گی۔

۵۔ یہ اضافہ مسند بزار، رقم ۱۶۰۰ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اِسی مضمون کی ایک دوسری روایت بھی نقل ہوئی ہے، اُس کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْمَرْأَةَ مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ لَيُرَى بَيَاضُ سَاقِهَا مِنْ وَرَاءِ سَبْعِينَ حُلَّةً حَتَّى يُرَى مُخُّهَا، وَذٰلِكَ بِأَنَّ اللهَ يَقُولُ: كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ». (سنن ترمذی، رقم ۲۴۷۲)

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کی عورتوں میں ہر عورت ایسی ہوگی کہ اُس کی پنڈلیوں کی گوری رنگت ستر پوشاکوں میں بھی دکھائی دے گی، یہاں تک کہ اُس کی ہڈیوں کا گودا تک نظر آئے گا۔ یہ اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ایسی خوب صورت جیسے یاقوت اور مونگے ہوں۔''

۶۔ مسند احمد، رقم ۶۹۷۶۔

۷۔ صحیح مسلم، رقم ۵۰۶۸ میں 'قُلُوبُهُمْ قَلْبٌ وَاحِدٌ' کے بجاے 'أَخْلَاقُهُمْ عَلَى خُلُقِ رَجُلٍ وَاحِدٍ' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں، یعنی اُن سب کے اخلاق ایک جیسے ہوں گے۔

۸۔ صحیح بخاری، رقم ۳۰۱۱ میں اِس جگہ جنت کے لوگوں کی یہ صفت بھی نقل ہوئی ہے کہ اُن کا قد سیدنا آدم کے قد کے مانند ساٹھ گز ہوگا۔ اِس موضوع کی ابتدائی روایات میں یہ اضافہ سرے سے موجود ہی نہیں، لہٰذا ہم نے بھی اِسے قبول نہیں کیا۔ اِس پر مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو:

"A Critical Study of Narratives on the Height of Adam by Dr. Shehzad Saleem".

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحابیہ ابو نحیلہ رضی اللہ عنہا سے اِسی مضمون کی ایک دعا بھی نقل ہوئی ہے، جس کے الفاظ ہیں: 'اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الْمُقَرَّبِينَ وَاجْعَلْ أُمِّي مِنَ الْحُورِ الْعِينِ' ''پروردگار، مجھے اپنا مقرب بنا اور میری ماں کو آہو چشم گوریوں میں شامل فرما'' (المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۸۴۱۳)۔

— ۲ —

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ[۱]، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ، خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ، أَوْ مَوْضِعُ قَدَمٍ مِنَ الْجَنَّةِ، خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ، لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا، وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيحًا، وَلَنَصِيفُهَا، يَعْنِي: الْخِمَارَ، خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا».

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے ایک صبح یا ایک شام کا سفر، دنیا اور اُس کی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ جنت میں تمھارے کسی شخص کی ایک کمان کے برابر یا ایک قدم جتنے فاصلے کی جگہ، دنیا اور اُس کی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت اگر روے زمین کی طرف جھانک کر دیکھ لے تو آسمان سے لے کر زمین تک، ہر چیز کو روشن کر دے اور ہر چیز کو خوشبو سے بھر دے۔ اُس کی تو اوڑھنی تک دنیا اور جو کچھ اُس میں ہے، اُس سے کہیں بڑھ کر ہے[۱]۔

۱۔ اِس طرح کی تعبیرات سے مقصود کسی معمولی چیز کے ذکر سے بڑی بڑی چیزوں کی شان اور قدر و قیمت کی

طرف توجہ دلانا ہوتا ہے۔ یہی اسلوب قرآن میں بھی بعض موقعوں پر اختیار کیا گیا ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح بخاری، رقم ۶۱۱۱ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت درج ذیل مصادر میں نقل ہوئی ہے:

حدیث اسماعیل بن جعفر، رقم ۵۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۸۷۴۶۔ مسند احمد، رقم ۱، ۱۲۱۲۰، ۱۲۲۰۴، ۱۲۳۱۸، ۱۳۵۱۰۔

سنن ترمذی، رقم ۱۵۷۳۔ صحیح بخاری، رقم ۲۵۹۶، ۲۶۰۰۔ صحیح مسلم، رقم ۳۴۹۹۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۲۷۵۰۔ مسند بزار، رقم ۲۴۶۷۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۳۷۲۴۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۷۰۰، ۷۵۵۹۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہی روایت سہل بن سعد، ابوہریرہ، ابوایوب انصاری اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی نقل ہوئی ہے۔ اُن سے اِس کے مصادر درج ذیل ہیں:

مسند طیالسی، رقم ۲۸۱۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۸۷۳۹، ۱۸۷۴۰، ۱۸۷۴۱، ۱۸۹۰۳، ۳۶۲۶۶۔ مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۴، ۹۰۔ مسند احمد، رقم ۲۲۳۲، ۱۰۶۶۱، ۱۰۶۸۰، ۱۵۲۵۹، ۱۵۲۶۰، ۱۵۲۶۲، ۱۵۲۶۴، ۱۵۲۶۵، ۲۲۲۶۲، ۲۲۲۷۶، ۲۲۹۶۴۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۴۶۴، ۶۶۱۔ سنن دارمی، رقم ۲۳۲۰۔ صحیح بخاری، رقم ۲۵۹۸، ۲۶۹۲۔ سنن ترمذی، رقم ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۸۵۔ صحیح مسلم، رقم ۳۵۰۰، ۳۵۰۱، ۳۵۰۲۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۲۷۴۸، ۲۷۴۹۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۳۰۸۳، ۳۰۸۴۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۴۲۰۹، ۴۲۱۰۔ مسند رویانی، رقم ۱۰۱۵۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۲۴۷۸، ۷۴۷۷۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۵۸۱۱، ۵۸۱۲، ۵۸۱۴۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۹۷۰، ۳۹۷۱، ۵۷۰۳، ۵۷۱۷، ۵۸۲۰، ۵۸۲۸، ۵۸۶۶۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۶۴۴۴۔

۳

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ[1]، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تُؤْذِي

امْرَأَةٌ زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ: لَا تُؤْذِيهِ قَاتَلَكِ اللّٰهُ؛ فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيلٌ يُوشِكُ أَنْ يُفَارِقَكِ إِلَيْنَا».

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف دیتی ہے[۱] تو آہو چشم گوریوں میں سے اُس کی بیوی کہتی ہے: اللہ تجھے ہلاک کرے، اِس کو تکلیف نہ دے، یہ تو تیرے پاس مہمان ہے، قریب ہے کہ یہ تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آجائے گا[۲]۔

۱۔ یعنی اُس شوہر کو جو اپنی نیکی، خیر اور صلاح و رشد کی وجہ سے جنت کا مستحق ہو چکا ہے اور اِس کا حق دار ہے کہ اِس طرح کی تکلیف دینے والی بیوی سے اُس کو وہاں نجات دلا دی جائے۔ یہی معاملہ، ظاہر ہے کہ تکلیف دینے والے شوہروں کا بھی ہونا چاہیے۔ اِس طرح کے موقعوں پر کسی حکم یا فیصلے کے عقلی مقتضیات اِسی طرح الفاظ میں بیان نہیں کیے جاتے اور قاری سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اُنھیں خود سمجھ لے گا۔ یہ قرآن کا بھی عام اسلوب ہے۔

۲۔ اِس سے یہ خیال نہیں ہونا چاہیے کہ آہو چشم گوریاں اپنے ہونے والے شوہروں کے بارے میں یہ گفتگو اِس وقت جنت میں بیٹھی ہوئی کرتی ہیں۔ اِس باب کی روایتوں کا دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت صاف واضح ہو جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت، دوزخ اور روز قیامت کے بارے میں اِس طرح کی چیزیں ممثل کر کے سنائی اور دکھائی جاتی تھیں تاکہ آپ اِن کے ذریعے سے لوگوں کو خبردار کرتے رہیں۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۲۱۵۲۸ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت سنن ترمذی، رقم ۱۰۹۰۔ ابن ماجہ، رقم ۲۰۰۴ اور المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۶۶۷۸ میں بھی نقل ہوئی ہے۔

المصادر والمراجع

ابن حبان، أبو حاتم بن حبان. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان.** ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر، على بن حجر أبو الفضل العسقلاني. (١٣٧٩هـ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري.** (د.ط). تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار المعرفة.

ابن قانع. (١٤٨١هـ/١٩٩٨م). **المعجم الصحابة.** ط١. تحقيق:حمدي محمد. مكة المكرمة: نزار مصطفى الباز.

ابن ماجة، ابن ماجة القزويني. (د.ت). **سنن ابن ماجة.** ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار الفكر.

ابن منظور، محمد بن مكرم بن الأفريقي. (د.ت). **لسان العرب.** ط١. بيروت: دار صادر.

أبو نعيم ، (د.ت). **معرفة الصحابة.** ط١. تحقيق: مسعد السعدني. بيروت: دارالكتاب العلمية.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (د.ت). **مسند أحمد بن حنبل.** ط١. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البخاري، محمد بن إسمٰعيل. (١٤٠٧هـ/ ١٩٨٧م). **الجامع الصحيح.** ط٣. تحقيق: مصطفى ديب البغا. بيروت: دار ابن كثير.

بدر الدين العيني. **عمدة القاري شرح صحيح البخاري.** (د.ط). بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البيهقي، أحمد بن الحسين البيهقي. (١٤١٤هـ/١٩٩٤م). **السنن الكبرى.** ط١. تحقيق: محمد عبد القادر عطاء. مكة المكرمة: مكتبة دار الباز.

السيوطي، جلال الدين السيوطي. (١٤١٦هـ/ ١٩٩٦م). **الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج.** ط ١. تحقيق: أبو إسحٰق الحويني الأثري. السعودية: دار ابن عفان للنشر والتوزيع.

الشاشي، الهيثم بن كليب. (١٤١٠هـ). **مسند الشاشي.** ط١. تحقيق: محفوظ الرحمٰن زين الله. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

محمد القضاعي الكلبي المزي. (١٤٠٠هـ/١٩٨٠م). **تهذيب الكمال في أسماء الرجال.** ط١. تحقيق: بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم، مسلم بن الحجاج. (د.ت). **صحيح المسلم.** ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤٠٦ھ/١٩٨٦م). **السنن الصغرى**. ط٢. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤١١ھ/١٩٩١م). **السنن الكبرى**. ط١. تحقيق: عبد الغفار سليمان البنداري، سيد كسروي حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

رضوان اللہ

البیان: خصائص و امتیازات

(۷)

۸۔ تأصیل اور تفریع

قرآن میں بعض احکام یا واقعات کو بیان کیا جاتا اور پھر چند جملوں میں ان سب باتوں کو ایک اصل سے متعلق کر دیا جاتا ہے۔ اسے تأصیل کا اسلوب کہتے ہیں۔ اسی طرح کچھ حقائق کو بیان کرتے ہوئے اُن پر کچھ باتیں متفرع کی جاتی ہیں۔ اسے تفریع کا اسلوب کہا جاتا ہے۔ اول الذکر کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بات تخصیص اور تعیین میں مقید نہیں رہتی، بلکہ اپنی ذات میں ایک طرح سے اصولی بھی ہو جاتی ہے۔ ثانی الذکر کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بات اپنے اِطلاقات میں خوب واضح ہو جاتی اور اصولوں کا اطلاق دیگر احوال پر کس طرح سے ہونا چاہیے، قاری کی اس معاملے میں بھی اچھی تربیت ہو جاتی ہے۔ تأصیل کی مثال میں یہ آیت دیکھ لی جا سکتی ہے:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (الحشر ۵۹: ۷)

”اور رسول (کا منصب یہی ہے کہ) جو تمھیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے روکے، اُس سے رک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک، اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔“

غزوۂ بنو نضیر میں کھجور کے بعض مثمر درختوں کو کاٹا گیا تو یہود کی طرف سے اس پر اعتراض اٹھا دیا گیا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ سب اللہ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ بعد میں بنو نضیر کے متروکہ اموال کی تقسیم کا معاملہ در پیش ہوا تو اس پر منافقین کی طرف سے سوالات اٹھا دیے گئے۔ ان کے جواب میں فرمایا ہے کہ یہ تمام اموال

اللہ اور اس کے رسول کے ہیں اور بعض اجتماعی ضرورتوں کے لیے خاص کر لیے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس ساری صورت حال میں ایک اصول کے طور پر فرمایا ہے کہ رسول جو تمھیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے روکے، اُس سے رک جاؤ۔ اس آیت کی یہی اصولی حیثیت ہے کہ البیان میں اسے واضح کرنے کے لیے آیت کے شروع میں یہ الفاظ لائے گئے ہیں: ''اور رسول (کا منصب یہی ہے کہ)''۔ [٣٢]

تفریع کے لیے ذیل کی آیت میں ایک اچھی مثال ہے:

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ. فَسِيۡحُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ. (التوبہ ٩: ١-٢)	''اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اُن مشرکوں کے لیے اعلان براءت ہے جن سے تم لوگوں نے معاہدے کیے تھے۔ سو، (اے مشرکین عرب)، اب اس ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو۔''

اس آیت میں خدا کی طرف سے مشرکین کے لیے براءت کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ براءت وہ اصول ہے جس پر اگلی آیات میں بعض احکام کی تفریع ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ ان میں سے جنھوں نے معاہدوں کی خلاف ورزی کی ہے، اُنھیں چار مہینے کی مہلت دے دی جائے اور جنھوں نے اِن کی پاس داری کی ہے، اُن کی مدت معاہدہ ختم ہو جانے کے بعد اُن سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ جب حرام مہینے گزر جائیں تو یہ مشرکین جہاں ملیں، اُنھیں قتل کر دیا جائے۔ البیان کے ترجمے میں تفریع کے اسی ربط کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ دوسری آیت سے ترجمہ ''سو'' کے لفظ کے ساتھ شروع کیا گیا ہے۔

٩۔ تشابہ

قرآن کا یہ عام انداز ہے کہ بعض اغراض کے پیش نظر ایک بات سے دوسری بات پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس دوسری بات کا موقع اگر لفظی مناسبت سے یا مضمون کی مشابہت سے پیدا ہو تو اسے تشابہ کا اسلوب کہتے ہیں۔ گویا یہ کسی قدرِ مشترک کی بنیاد پر بظاہر دو مختلف باتوں کو آپس میں مربوط کر دینے کا ایک اسلوب ہے۔ لفظی مناسبت کی وجہ سے تشابہ کے آنے کی مثال میں ذیل کی آیت دیکھ لی جا سکتی ہے:

---

[٣٢] قرآن میں اس اسلوب کی اور بھی کئی اچھی مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ 'وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ' اور 'اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقۡتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا' (النساء ٤: ٢٢، ٦٤)۔

وَعَلَيۡهَا وَعَلَى الۡفُلۡكِ تُحۡمَلُوۡنَ. وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ. (المؤمنون ۲۳: ۲۲-۲۳)

”اور اِن پر اور کشتیوں پر (جو سمندر میں چلتی ہیں)، سوار بھی کیے جاتے ہو۔ (اور وہ کشتی بھی یاد ہے جس میں طوفان سے نکلے تھے)؟ ہم نے نوح کو اُس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا تو اُس نے دعوت دی کہ میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو۔ اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔“

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنی ربوبیت کے انتظام کی کچھ مثالیں دی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے ہماری سواری کے لیے خشکی پر جانوروں کا اور پانی کے اندر کشتی کا انتظام کیا ہے۔ کشتی کا ذکر کرنے کے بعد جب اس مدعا پر واقعاتی شہادتیں پیش کرنا شروع کی ہیں تو حضرت نوح ؑ کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس میں کشتی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ تشابہ کا اسلوب ہے اور البیان میں اس کی وضاحت کے لیے مذکورہ آیت کے ترجمے سے پہلے قوسین کے اندر ربط کے یہ الفاظ لکھ دیے گئے ہیں: ”اور وہ کشتی بھی یاد ہے جس میں طوفان سے نکلے تھے۔“

مضمون کی مناسبت سے تشابہ کے آجانے کی مثال اس آیت میں موجود ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ. (البقرہ ۲: ۸)

”اور اِنھی لوگوں میں وہ (منافقین) بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو مانا ہے اور قیامت کے دن کو مانا ہے، دراں حالیکہ وہ اِن میں سے کسی چیز کو بھی نہیں مانتے۔“

پچھلی آیات میں قرآن کی دعوت کے مقابلے میں پیدا ہو جانے والے دو انتہائی گروہوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک وہ ہیں جو سچے دل سے اس پر ایمان لا رہے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جنھوں نے ہٹ دھرمی اور اصرار کے ساتھ اس کا انکار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد جرم کی مناسبت سے اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جو بعض پہلوؤں سے دوسرے گروہ سے مختلف ضرور ہیں، مگر انکار کی روش میں بہر حال انھی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو زیر نظر آیت تشابہ کے طریق ہی پر پچھلے کلام سے مربوط ہوئی ہے، چنانچہ البیان میں اس ربط کو نمایاں کرنے کے لیے آیت کے شروع کا ترجمہ ”اور اِنھی لوگوں میں وہ (منافقین) بھی ہیں“ کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔

۱۰۔ اِتمام

قرآن میں کسی موضوع پر مناسب حد تک بات ہو جانے کے بعد بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ اُس سے جڑی ہوئی دیگر چیزوں کو بھی زیر بحث لے آیا جاتا ہے اور اس طرح اُس موضوع کو گویا ایک تکمیلی رنگ دے دیا جاتا ہے۔ یہ اِتمام کا اسلوب ہے اور قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ذیل کا مقام تو اس کی نہایت خوب صورت مثال ہے:

وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمَانِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ. (البقرہ ۲: ۲۲۴)

”(عورتوں سے متعلق بعض دوسرے معاملات بھی ہیں، اِنھیں بھی سمجھ لو) اور اپنی قسموں کے لیے اللہ کے نام کو دوسروں سے حسن سلوک اور حدود الٰہی کی رعایت کرنے اور لوگوں کے مابین صلح کرانے میں رکاوٹ نہ بناؤ اور (متنبہ رہو کہ) اللہ سمیع و علیم ہے۔“

اس سلسلۂ کلام میں بنیادی طور پر جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کا بیان ہوا ہے۔ ان کے تعلق سے بعض سوالات شراب اور جوے اور پھر نکاح اور مباشرت کے بارے میں پیدا ہوئے تو ان سب کا تفصیل سے جواب دیا گیا اور اس معاملے میں کوئی کسر نہ رہ گئی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ زیر نظر آیت سے نکاح کے اس مضمون کا اِتمام یوں کیا گیا کہ طلاق، اُس کا طریقہ، اُس کی عدت، بعد از طلاق امور، حتیٰ کہ شوہر کی وفات کے بعد بیوہ کی عدت اور اس کے ساتھ نکاح کے معاملات، یہ سب بھی زیر بحث آ گئے ہیں۔ پچھلی آیات سے اِتمام کا یہ ربط چونکہ زیر نظر آیت سے شروع ہو رہا ہے، اس لیے البیان میں ضروری سمجھا گیا ہے کہ اس کے شروع میں قوسین کے اندر یہ الفاظ بھی لکھ دیے جائیں: ”عورتوں سے متعلق بعض دوسرے معاملات بھی ہیں، اِنھیں بھی سمجھ لو۔“

محذوفات

قرآن کے اسالیب میں روابط کے بعد سب سے اہم اسلوب اس کے محذوفات ہیں کہ اس کی عربی میں ایجاز و اختصار کے پیش نظر بہت سے الفاظ حذف کر دیے جاتے ہیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کلام میں حسن و لطافت پیدا ہوتی اور بلاغت کے ساتھ ساتھ اُس کی تاثیر بھی بے انتہا بڑھ جاتی ہے۔ حذف کے یہ فوائد سب کے ہاں معلوم اور مسلم ہیں، مگر عام قارئین کے لیے ہر مقام پر اس کے وقوع اور اس کی نوعیت کا اِدراک

کر لینا بہر حال کوئی آسان امر نہیں ہے۔ چنانچہ مترجم کے لیے لازم ہے کہ وہ تفہیم مدعا کی غرض سے جہاں مناسب ہو، ان محذوفات کو کھول کر بیان کر دے۔ ہم البیان میں سے اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

۱۔ حروف

قرآن میں بہت سے مقامات پر حروف کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ یہ جر دینے والے حروف بھی ہوتے ہیں اور ندا کے لیے استعمال ہونے والے حروف بھی:

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ. اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ.
(الشعراء ۲۶: ۱۶-۱۷)

”سو دونوں (بغیر کسی تردد کے) فرعون کے پاس
جاؤ اور اُس سے کہو کہ ہم خداوند عالم کے رسول ہیں
اور اِس لیے آئے ہیں کہ تم بنی اسرائیل کو ہمارے
ساتھ جانے دو۔“

اس آیت میں آنے والے 'اَنْ' کے معاملے میں مترجمین نے عام طور پر دو طریقے اختیار کیے ہیں: اس کا ترجمہ ”کہ“ سے کیا ہے، مگر اس سے ان دو فقروں کا باہمی تعلق کسی طرح بھی واضح نہیں ہو پاتا۔ یعنی، اب ترجمہ یہ بنتا ہے: تم فرعون کے پاس جا کر کہو کہ ہم رب العٰلمین کے بھیجے ہوئے ہیں کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے۔ بعض مترجمین نے اس تعلق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، مگر وہ اس بات پر مجبور ہو گئے ہیں کہ 'رَسُوْل' کا ترجمہ ”پیغام لانے والا“ کرنے کے بجائے ”پیغام لانا“ کریں۔ یعنی، تم فرعون کے پاس جا کر کہو کہ ہم رب العٰلمین کا پیغام لائے ہیں کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ ان دو ترجموں کے برعکس، البیان میں قرآن کی زبان کی رعایت سے 'اَنْ اَرْسِلْ' سے پہلے حرف ”ب“ کو محذوف مانا گیا اور اسے بیان کرنے کے لیے یہ الفاظ لائے گئے ہیں: ”اور اس لیے آئے ہیں کہ“۔ دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اس سے مذکورہ ترجمے میں پیدا ہو جانے والی تمام اُلجھنیں آپ سے آپ ختم ہو گئی ہیں۔

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۜ وَاسْتَغْفِرِيْ
لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ.
(یوسف ۱۲: ۲۹)

”یوسف، اس بات کو جانے دو اور اے عورت،
تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، اصل میں تو ہی خطاکار
ہے۔“

اس آیت کے پہلے جملے میں یوسف کے ساتھ ایک حرفِ ندا محذوف ہے اور دوسرے جملے میں حرف ندا اپنے منادی سمیت محذوف ہے۔ البیان کے ترجمے میں پہلے حذف کو عربی ہی کی طرح لفظوں میں تو نہیں لکھا

گیا، مگر علامت کے طور پر اس کے بعد قومہ استعمال کر لیا گیا ہے اور دوسرے حذف کو ”اے عورت“ کے لفظوں میں صریح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔

۲۔ الفاظ

قرآن میں الفاظ کو بھی بعض اوقات حذف کر دیا جاتا ہے۔ یہ فعل بھی ہوتے ہیں اور اسم بھی۔ پھر فعل میں سے یہ ماضی، مضارع، ناقص اور امر کی صورت میں ہوتے ہیں تو اسم میں سے مضاف اور موصوف وغیرہ کی صورت میں بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم پہلے افعال کی اور اس کے بعد اسما کی چند مثالیں عرض کریں گے:

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ. (سبا ۳۴: ۲۱)

”حقیقت یہ ہے کہ ابلیس کو اُن پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ ہم نے یہ مہلت اُس کو دی تو صرف اِس لیے کہ ہم اُن لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اُن لوگوں سے الگ معلوم کر لیں جو اُس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔“

بعض مترجمین نے اس آیت میں کوئی حذف نہیں مانا۔ اس سے اُن کا بیان کردہ ترجمہ آیت کا اصل مدعا بیان کرنے سے بالکل قاصر رہ گیا ہے۔ اُن کے مطابق ترجمہ یہ بنتا ہے: ”شیطان کا اُن پر کوئی زور نہ تھا، مگر اس لیے کہ ہم اُن لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ظاہر کریں اُن لوگوں میں سے جو اس سے شک میں ہیں۔“ اس کے مقابلے میں بعض مترجمین نے یہاں ایک محذوف تو مانا ہے، مگر وہ محذوف ایسا ہے کہ اس کے نتیجے میں ایک واضح حقیقت اور آیت کے اصل مفہوم سے صرف نظر ہو گیا ہے۔ ان کا ترجمہ یہ بنتا ہے: ”ابلیس کا اُن پر کچھ زور نہ تھا، مگر اس قدر کہ ہم اُن لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اُن لوگوں سے الگ کر لیں جو اس کی طرف سے شک میں ہیں۔“ گویا اُن کے ترجمے کے مطابق شیطان کو لوگوں پر کچھ نہ کچھ زور بہر حال دیا گیا ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ شیطان کو اُن لوگوں پر ایک طرح کا زور ضرور حاصل ہو جاتا ہے جو اُس کی پیروی کرتے اور اس طرح اپنی باگ اُس کے ہاتھ میں تھما دیتے ہیں، مگر خدا کی طرف سے اُسے اس طرح کی کوئی طاقت ہرگز نہیں دی گئی، اور آیت میں ’سُلْطٰن‘ کی تنوین اور اس پر آنے والے ’مِنْ‘ کی تاکید بھی یہی بات بیان کر رہی ہے۔ چنانچہ البیان میں ’سُلْطٰن‘ اور ’اِلَّا‘ کے درمیان میں ’وما أمهلته‘ کا ایک مناسب فعل محذوف مان کر ترجمہ کیا گیا ہے اور دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اس سے آیت کا اصل مفہوم بھی کھل گیا ہے اور اس کے نتیجے میں کوئی

مذکورہ مسئلہ بھی سرے سے پیدا نہیں ہوا۔

ذیل کی آیت بھی اس کی ایک اچھی مثال ہے جس میں اس سے پچھلی آیت 'قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ' کی روشنی میں ایک فعل 'جاءت' نکالا گیا ہے اور اس سے آیت کا ترجمہ ہر طرح کے تکلف اور کسی بھی ابہام سے بالکل پاک ہو گیا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا. (یونس ۱۰: ۵۸)

"انھیں بتاؤ، (اے پیغمبر)، یہ اللہ کے فضل اور اُس کی رحمت سے آئی ہے۔ سو چاہیے کہ اِس پر وہ خوشی منائیں۔"

بہت سی آیات میں فعل امر کے صیغے بھی حذف کر دیے گئے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (البقرہ ۲: ۱۳۵)

"اور اِدھر اِن کا اصرار ہے کہ یہودی یا نصرانی بنو تو ہدایت پاؤ گے۔ اِن سے کہہ دو، بلکہ ابراہیم کا دین اختیار کرو جو (اپنے پروردگار کے لیے) بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔"

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بعض مترجمین نے کسی حذف کو نہ مانتے ہوئے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ اس لیے درست نہیں ہے کہ 'مِلَّةَ' کا نصب واضح طور پر کسی نہ کسی عامل کا تقاضا کر رہا ہے۔ بعض مترجمین نے فعل مضارع کی صورت میں ایک عامل یہاں مانا تو ہے، مگر وہ اس سیاق میں کچھ زیادہ مناسب دکھائی نہیں دیتا۔ اس لیے کہ یہود و نصاریٰ کی دعوت کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دعوت ہی کا بیان زیادہ موزوں ٹھیرتا ہے نہ کہ مضارع کی صورت میں عقیدے کے کسی بیان کا۔ مزید یہ کہ اگلی آیت میں مسلمانوں کے اپنے عقیدے کا بیان الگ سے آ بھی گیا ہے، اس لیے یہاں مضارع کو محذوف مان کر اسے بھی عقیدے کا بیان بنا لیا جائے تو یہ ایک طرح کی تکرار محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجوہ ہیں کہ البیان میں 'قُلْ' کے بعد 'اتبعوا' کا فعل امر محذوف مان کر ترجمہ کیا گیا ہے: "ان سے کہہ دو، بلکہ ابراہیم کا دین اختیار کرو۔"

قدیم عربی میں افعال کی طرح بعض اوقات افعال ناقصہ کے صیغے بھی حذف کر دیے جاتے ہیں۔ یہ مضارع سے پہلے حذف کیے جاتے ہیں اور قرآن میں ان کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ اس آیت میں:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا. (البقرہ ۲: ۱۴۴)

"تمھارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھتے رہے ہیں، (اے پیغمبر)، سو ہم نے فیصلہ کر

لیا کہ تمھیں اُس قبلے کی طرف پھیر دیں جو تم کو پسند ہے۔“

یہاں ’نَرٰی‘ سے پہلے فعل ناقص ’کنا‘ محذوف ہے، اس لیے اس کا ترجمہ ”ہم دیکھتے ہیں“ یا ”ہم دیکھ رہے ہیں“ کرنے کے بجاے ماضی استمرار میں کرنا ہی درست ہے، جیسا کہ البیان میں یہ کیا بھی گیا ہے: ”ہم دیکھتے رہے ہیں۔“

قرآن میں فعل کے حذف کا ایک خاص اسلوب بھی پایا جاتا ہے۔ کلام عرب میں سے اس کی مثال کے لیے ’علفته تبنًا وماء‘ اور ’قلدني سيفًا ورمحًا‘ وغیرہ کی ترکیبات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس طرح کی ترکیبات میں دونوں مفعول ایک ہی فعل کے تحت نہیں ہوتے، بلکہ ان میں ایک اور فعل محذوف ہوتا ہے جسے دوسرے مفعول کی روشنی میں بہ آسانی سمجھ لیا جا سکتا ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ. (الحشر ۵۹: ۹)

”جو لوگ اِس دیار کو اِن سے پہلے ٹھکانا بنائے ہوئے اور اپنا ایمان محکم کیے ہوئے ہیں، وہ اُن لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو (اُن کے بعد اب) ہجرت کر کے اُن کی طرف آ رہے ہیں۔“

اس آیت میں ’الدَّار‘ اور ’الْاِيْمَان‘ بظاہر ایک ہی فعل، یعنی ’تَبَوَّؤُ‘ کے دو مفعول دکھائی دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مترجمین نے عام طور پر اسی لحاظ سے آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن بہ ادنیٰ تامل معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ عربی زبان کے اس خاص اسلوب سے چوک جانے کا نتیجہ ہے۔ یہاں اصل میں ’الْاِيْمَان‘ سے مناسبت رکھنے والا ایک فعل محذوف ہے۔ اس کی رعایت کی جائے تو پوری عبارت اب اس طرح ہو گی: ’تبوؤوا الدار واحكموا الإيمان‘۔ چنانچہ البیان میں اس فقرے کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: ”جو لوگ اس دیار کو ان سے پہلے ٹھکانا بنائے ہوئے اور اپنا ایمان محکم کیے ہوئے ہیں۔“

فعل کے بعد اب ہم اسم کے حذف کی طرف آتے ہیں۔ اس میں سے مضاف کا حذف سب سے زیادہ ہوتا ہے اور قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں:

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا. (الکہف ۱۸: ۲۱)

”ذرا خیال کرو، جب اُن کے معاملے میں لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے تو کچھ لوگوں نے کہا: اِن کے غار پر ایک عمارت بنا دو۔“

اصحاب کہف کے واقعہ میں فرمایا ہے کہ جب لوگ ان کے بارے میں متنبہ ہو گئے تو اس کے بعد آپس میں بحث کرنے لگے۔ اس موقع پر کچھ لوگوں نے کہا: 'ابۡنُوۡا عَلَيۡهِمۡ بُنۡيَانًا' (ان پر ایک عمارت بنا دو)۔ ظاہر ہے، یہ عمارت اُن کے جسموں پر نہیں، بلکہ ان کے غار پر بنانے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ گویا یہاں 'عَلَيۡهِمۡ' میں ایک مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے: 'ابنوا علی کھفھم بنیانًا'۔

بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ قرآن میں صفت کو بیان کر دیا جاتا ہے، مگر وہ کس موصوف کی صفت ہے، اُس کا بیان نہیں کیا جاتا:

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی. وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی. فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰی. (اللیل ۹۲: ۵-۷)

''پھر جس نے (راہ خدا میں) دیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور اچھے انجام کو سچ مانا، اُسے ہم سہج سہج راحت میں لے جائیں گے۔''

یہاں 'الۡحُسۡنٰی' صفت ہے اور اُس کا موصوف حذف کر دیا گیا ہے۔ خدا کی راہ میں انفاق کرنے کے مضمون کو اگر سامنے رکھیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ موصوف اصل میں 'العاقبة' ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انفاق کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ ریاکاری اور احسان جتلانے کے بجائے پرہیزگاری کے جذبے کے ساتھ ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اُس سے مقصود دنیا کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ آخرت کا اچھا انجام ہو۔ البیان میں 'العاقبة' کو صفت 'الۡحُسۡنٰی' کا موصوف مان کر ان دونوں کا ترجمہ ''اچھے انجام'' کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔

اس بحث کے آخر میں فاعل، مفعول، مصدر اور ظرف کی مثالیں بھی دیکھ لی جانی چاہییں۔ ذیل میں ہم نہایت اختصار کے ساتھ انھیں بیان کرتے ہیں:

فَلَوۡلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الۡحُلۡقُوۡمَ. وَاَنۡتُمۡ حِيۡنَئِذٍ تَنۡظُرُوۡنَ. وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡكُمۡ وَلٰكِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ. فَلَوۡلَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ غَيۡرَ مَدِيۡنِيۡنَ. تَرۡجِعُوۡنَهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ. (الواقعہ ۵۶: ۸۳-۸۷)

''پھر تم کسی کے محکوم نہیں ہو تو اُس وقت جب مرنے والے کی جان حلق میں پہنچ جاتی ہے اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو، لیکن نہیں دیکھتے کہ اُس وقت تمھاری نسبت ہم اُس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، پھر تم محکوم نہیں ہو تو اُس (کی نکلتی ہوئی) جان کو لوٹا کیوں نہیں لیتے، اگر تم سچے ہو؟''

اس آیت میں ’بَلَغَتْ‘ کا فاعل ’النفس‘ ہے، مگر وہ لفظوں میں کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ البیان میں اسے ”مرنے والے کی جان“ کہتے ہوئے بیان کیا گیا ہے۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى. اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى. (طٰهٰ ۲۰: ۲-۳)

”ہم نے یہ قرآن تم پر اِس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہ تو صرف ایک یاددہانی ہے اُن کے لیے جو (بن دیکھے) اپنے پروردگار سے ڈریں۔“

یہاں ’یَخْشٰى‘ کا مفعول محذوف ہے جسے بیان کرنے کے لیے البیان میں ”اپنے پروردگار“ کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا. ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا. (نوح ۷۱: ۸-۹)

”پھر میں نے اِن کو کھلم کھلا دعوت دی۔ پھر ہانکے پکارے بلایا اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔“

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اس آیت میں ’اَعْلَنْتُ‘ فعل کا مصدر ’إعلانًا‘ محذوف ہے اور مفعول مطلق کی حیثیت سے آیا ہے، چنانچہ البیان میں اس کے لیے ”ہانکے پکارے بلایا“ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ. (الاعراف ۷: ۱۳۳)

”سو ہم نے اُن پر طوفان بھیجا، ٹڈیاں، جوئیں اور مینڈک چھوڑ دیے اور خون برسایا۔ یہ سب نشانیاں تھیں، (بنی اسرائیل کے صحیفوں میں) جن کی تفصیل کر دی گئی ہے۔“

یہاں ’مُفَصَّلٰت‘ کا ظرف ’في صحف بني إسرائيل‘ محذوف تھا جسے البیان میں بیان کر دیا گیا ہے۔

[باقی]

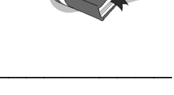

سیر و سوانح

محمد وسیم اختر مفتی

السابقون الاولون

[”سیر و سوانح“ کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

حضرت ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ

نسب اور قرابت داری

حضرت ابو احمد بن جحش کا نام عبد تھا، لیکن وہ اپنی کنیت ابو احمد اور نسبت اسدی سے مشہور ہیں۔ ان کے دادا کا نام رئاب (ریاب: ابن عبد البر) بن یعمر تھا۔ اپنے نویں جد اسد بن خزیمہ کی نسبت سے ان کا قبیلہ بنو اسد اور دسویں جد خزیمہ بن مدرکہ کے نام پر بنو خزیمہ کہلاتا ہے۔ ابن سعد نے حضرت ابو احمد کے ساتویں جد کے نام پر بنو غنم بن دودان کو ان کا ذیلی قبیلہ قرار دیا ہے۔ حضرت ابو احمد کے اجداد زمانۂ جاہلیت میں نجد سے آ کر مکہ میں آباد ہوئے۔ ان کے والد جحش بن رئاب نے حضرت ابو سفیان کے والد، عبد شمس کے پوتے حرب بن امیہ کی محالفت اختیار کی۔ ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں میں عرب محالفت کے پیمان کیا کرتے تھے، ایک بار اسود بن عبد المطلب نے حضرت ابو احمد بن جحش کو حلیف بننے کی پیشکش کی اور کہا: میرا خون تمھاری جان بچانے کے لیے اور میرا مال تمھارا مالی نقصان پورا کرنے کے لیے حاضر ہو گا، لیکن وہ نہ مانے اور حرب بن امیہ کا حلیف رہنا روا رکھا۔

حضرت ابو احمد بن جحش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد تھے، ان کی والدہ حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب آپ کی پھوپھی تھیں۔

عام خیال یہی ہے کہ حضرت ابو احمد کے والد جحش بعثت نبوی سے پہلے انتقال کر چکے تھے، تاہم ایک روایت ہے کہ وہ زندہ تھے اور نعمت ایمان سے سرفراز ہوئے۔ جحش بن رئاب کے کل چھ بچے تھے، تاریخ اسلامی میں ہر ایک کا اہم مقام ہوا۔ حضرت ابو احمد بن جحش اور ان کے سگے بھائی حضرت عبد اللہ بن جحش اکٹھے ایمان لائے۔ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اہلیہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش، حضرت مصعب بن عمیر کی زوجہ حضرت حمنہ بنت جحش، حضرت ابو احمد بن جحش کی بہنیں تھیں۔ ان کا بیاہ ابو سفیان کی بیٹی حضرت فارعہ سے ہوا تھا۔ ابن ہشام نے فرعہ لکھا، یہ عربی کے اس قاعدے کے مطابق ہے کہ وسط کلمہ سے الف لینہ کو رسماً و خطاً حذف کر دیا جاتا ہے، اگرچہ یہ بولنے میں موجود رہتا ہے۔ مثال کے طور پر: 'لٰکن، إلٰه، الرحمٰن' (المنهاج السعودي)۔ حضرت ابو احمد بن جحش نابینا تھے، لیکن مکہ کے نشیب و فراز میں کسی سے مدد لیے بغیر گھومتے پھرتے تھے۔

اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

يا حبذا مكة من واد
أرض بها أهلي و عوادي

"کیا ہی خوب صورت ہے مکہ کی وادی، یہ ایسی سرزمین ہے جس میں میرا کنبہ ہے اور مجھ سے ملنے جلنے والے ہیں۔"

إني بها ترسخ أوتادي
أرض بها أمشي بلا هادي

"اسی دھرتی میں میری میخیں گڑی ہیں، اسی سرزمین میں میں انگلی پکڑنے والے رہبر کے بغیر چلتا پھرتا ہوں۔"

سبقت الی الاسلام

حضرت ابو موسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، حسن بصری، قتادہ اور ابن سیرین نے 'السابقون الأولون' کی تعریف یوں کی ہے: وہ تمام مہاجرین و انصار جنھوں نے دونوں قبلوں، مسجد اقصیٰ اور بیت اللہ کی طرف رخ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کر کے نماز پڑھی ہے۔ تحویل قبلہ کا حکم ہجرت کے سوا سال بعد غزوۂ بدر سے دو ماہ پہلے نازل ہوا۔ محمد بن کعب قرظی اور عطا بن یسار نے اس تعریف کو وسعت دی اور تمام اہل بدر کو 'السابقون الأولون' میں شمار کیا۔ شعبی نے صلح حدیبیہ تک تمام ایمان لانے والوں کو 'السابقون الأولون' کا مصداق سمجھا ہے۔ زمخشری نے وضاحت کی ہے کہ بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ میں شامل انصار اور مدینہ کے پہلے معلم حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والے انصاری 'السابقون الأولون من الأنصار' ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں دین حق کو اختیار کرنے والے ہیں، جب اللہ واحد کا نام لینے والے تھوڑے تھے اور شدید مزاحمتوں اور سخت عقوبتوں کا سامنا تھا، اس خطاب خداوندی کے اصل حق دار ہیں۔ جو اصحاب رسول بعد میں ایمان لائے، ان سے بھی اللہ راضی ہوا اور انھیں بھی ابدی جنتوں کی نوید سنائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ'، ''اور وہ مہاجرین وانصار جو سبقت لے جانے میں اول تھے اور وہ جنھوں نے (بعد میں) خوب کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں مہیا کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہی بڑی کامرانی ہے'' (التوبہ ۹: ۱۰۰)۔

'السابقون الأولون' کی پہلی فہرست ابن اسحاق نے بیان کی، اسی کی بنیاد پر ابن ہشام نے اپنی فہرست مرتب کی۔ اس کے مطابق السابقون میں حضرت ابواحمد بن جحش کا نمبر اکتیسواں ہے۔ وہ اپنے بھائیوں حضرت عبداللہ بن جحش اور عبیداللہ بن جحش کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم و تبلیغ دین کے لیے دار ارقم کو مرکز بنانے سے پہلے ایمان لائے۔ عبیداللہ حبشہ جا کر عیسائی ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔ ''سیرت ابن اسحاق'' کے برطانوی مترجم Alfred Guillaume (۱۹۵۵ء) کا خیال ہے کہ حضرت ابواحمد بن جحش حضرت ابوبکر کی دعوت پر ایمان لائے۔ افسوس، ہمیں اس دعوے کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

ہجرت حبشہ

اپنے بھائیوں حضرت عبداللہ اور عبیداللہ کے برعکس حضرت ابواحمد بن جحش نابینا ہونے کی وجہ سے حبشہ نہ گئے اور مکہ ہی میں مقیم رہے۔ بلاذری کہتے ہیں: جو ان کی ہجرت حبشہ کا دعویٰ کرتا ہے، غلط کہتا ہے۔

ہجرت مدینہ

انصار کے قبول اسلام کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو مدینہ ہجرت کرنے کا اذن دیا تو حضرت ابوسلمہ نے پہلے مہاجر ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ان کے بعد حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت ابواحمد عبد بن جحش، حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے اہل خانہ دار ہجرت پہنچے اور قبا میں بنو عمرو بن عوف کے محلہ میں حضرت مبشر بن عبدالمنذر (ابن سعد، ابن ہشام، ابن اثیر، ایک روایت: حضرت عاصم بن ثابت) کے ہاں مقیم ہوئے۔ حضرت ابواحمد کے اعزہ حضرت عکاشہ بن محصن، حضرت ابوسنان بن محصن، حضرت سنان بن ابوسفیان، حضرت شجاع بن وہب، حضرت عقبہ بن وہب، حضرت اربد بن حمیر (جمیرہ: ابن کثیر)، حضرت منقذ بن نباتہ، حضرت سعید بن رقیش، حضرت یزید (زید: ابن کثیر) بن رقیش، حضرت محرز بن نضلہ، حضرت قیس بن جابر، حضرت عمرو بن محصن، حضرت مالک بن عمرو، حضرت صفوان بن عمرو، حضرت ثقف بن عمرو، حضرت ربیعہ بن اکثم، حضرت تمام بن عبیدہ، حضرت سخبرہ بن عبیدہ، حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش اور حضرت زبیر بن عبیدہ نے بھی ہجرت کی۔ بنوغنم کی خواتین میں سے حضرت زینب بنت جحش، حضرت حمنہ بنت جحش، حضرت ام حبیب بنت جحش، حضرت جدامہ بنت جندل، حضرت ام قیس بنت محصن، حضرت ام حبیب بنت ثمامہ، حضرت آمنہ بنت رقیش اور حضرت سخبرہ بنت تمیم نے مردوں کا ساتھ دیا۔ پھر مسلمانوں کی اکثریت نے ہجرت کے لیے رخت سفر باندھ لیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲؍ ربیع الاول کو تشریف لائے۔

حضرت فارعہ مدینہ جانے پر تیار نہ تھیں۔ اس موقع پر حضرت ابواحمد بن جحش نے کچھ اشعار کہے، ان میں سے دو نذر قارئین ہیں:

فقلت لها بل يثرب اليوم وجهنا
فما يشإ الرحمان فالعبد يركب

”میں نے اپنی اہلیہ فارعہ (ام احمد) سے کہا: آج کوئی اور دور کا ملک نہیں، بلکہ یثرب ہی ہماری منزل ہے۔ خداے رحمٰن جو چاہتا ہے، بندہ وہی کر گزرتا ہے۔“

إلى الله وجهي و الرسول و من يقم
إلى الله يومًا وجهه لا يخيب

”میرا رخ اللہ ورسول کی جانب ہے، جو اللہ کی طرف رخ کر لیتا ہے، نامراد نہیں ہوتا۔“

حضرت ابو احمد بن جحش نے مدینہ میں جنت البقیع سے ملحق اپنا گھر تعمیر کیا۔

ہجرت کے بعد مکہ کے حالات

بنو غنم کے تمام مرد و عورت مدینہ ہجرت کر گئے تو ان کے گھروں کو تالے لگ گئے۔ مکہ کے مقام ردم کے قریب معلاۃ میں واقع حضرت ابو احمد بن جحش کا گھر بھی مقفل ہو گیا۔ بنو غنم کی طرح بنو بکیر اور بنو مظعون کے گھر بھی مکینوں سے خالی ہو گئے۔ ایک بار عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبد المطلب اور ابو جہل بالائی مکہ جاتے ہوئے بنو جحش کے مکان کے پاس سے گزرے۔ عتبہ نے اس کے دروازوں کو شکستگی کی وجہ سے کھڑکھڑاتا ہوا اور گھر کو بے آباد، بلا ساکن دیکھا تو سرد آہ بھری اور ابو دواد ایادی کا یہ شعر پڑھا:

وكل دار و إن طالت سلامتها
يومًا ستدركها النكباء والحوب

”ہر گھر چاہے کتنی دیر صحیح و سالم رہے، ایک دن الٹے رخ کی ہوا چلتی ہے اور اس پر ویرانیاں چھا جاتی ہیں۔“

ابو جہل نے کہا: اس گھر کی بربادی پر کوئی ایک بھی رونے والا نہ ہو گا۔ پھر عباس سے مخاطب ہوا: یہ تمھارے بھتیجے محمد کا کام ہے، اس نے ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا ہے، قوم کا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور ہم میں جدائیاں ڈال دی ہیں۔ کچھ دیر کے بعد ابو سفیان نے اسے اپنی بیٹی حضرت فارعہ کا گھر سمجھ کر اس پر قبضہ کر لیا اور عمرو بن علقمہ کے ہاتھ چار سو دینار کے عوض بیچ کر اپنے قرض سے چھٹکارا پایا۔ حضرت عبد اللہ بن جحش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: عبد اللہ، کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ اللہ تمھیں جنت میں اس سے بہتر گھر دے دے گا؟ بعد میں یہ گھر حضرت عثمان کے قبضے میں آ گیا، ان کے بیٹے ابان حج و عمرہ کے موقع پر مکہ جاتے تو اس گھر میں ٹھیرتے، چنانچہ یہ انھی کے نام سے موسوم ہو گیا۔

جہاد و غزوات

حضرت ابو احمد بن جحش اور حضرت عمرو بن ام مکتوم جہاد کی تڑپ رکھتے تھے، لیکن نابینا ہونے کی وجہ سے غزوات میں حصہ نہ لے سکے۔ ان کے برعکس منافقین اللہ کی راہ میں جہاد سے بچنے کے لیے حیلے بہانے کرتے۔ اللہ کے اس فرمان سے ان مخلصین اور نفاق کے مارے ہوئے ہٹوں کٹوں میں خوب امتیاز ہو جاتا ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ ”اہل ایمان میں سے جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا.

(النساء ۴: ۹۵)

والے، جنھیں کوئی عذر بھی لاحق نہیں اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت بخشی ہے۔ اللہ نے ان دونوں سے اچھا وعدہ کر رکھا ہے، تاہم اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں بڑے اجر کی فضیلت دی ہے۔“

یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے واضح ہو جاتی ہے جو آپ نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر ارشاد فرمایا: بے شک، مدینہ میں کچھ لوگ ہیں، تم کوئی مسافت طے کرتے ہو یا کسی وادی سے گزرتے ہو تو وہ تمھارے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ صحابہ نے حیرت سے پوچھا: یارسول اللہ، وہ تو مدینہ میں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، وہ مدینہ میں ہیں، انھیں عذر نے روک رکھا ہے (بخاری، رقم ۴۴۲۳۔ ابوداؤد، رقم ۲۵۰۸۔ ابن ماجہ، رقم ۲۷۶۴۔ احمد، رقم ۱۲۶۲۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۷۳۱)۔ زمخشری کہتے ہیں: یہ وہ اہل ایمان ہیں جن کی نیتیں درست ہیں، جن کے سینے کھوٹ سے پاک ہیں اور جن کے دل جہاد کی رغبت سے پر ہیں، لیکن انھیں لاحق عارضہ ان کے نکلنے میں رکاوٹ بن رہا ہے۔

حضرت زینب بنت جحش کا نکاح

۴ھ (۶۲۶ء) میں حضرت زینب بنت جحش کی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ سے علیحدگی ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت زینب کے بھائی حضرت ابو احمد بن جحش ان کے والی مقرر ہوئے۔ انھوں نے چار سو درہم کے عوض یہ عقد طے کیا۔

فتح مکہ

فتح مکہ کے موقع پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے خطاب فرمایا۔ آپ کے خطبہ کے بعد حضرت ابو احمد بن جحش نے مسجد حرام کے دروازے پر اپنا اونٹ روکا اور پکارنے لگے: اے بنو عبد مناف، میں اللہ کا واسطہ دے کر تمھیں وہ حلف یاد دلاتا ہوں جو تم نے مجھ سے کیا، میں تمھیں اپنا گھر یاد دلاتا ہوں۔ آپ نے

حضرت عثمان کو بلا کر چپکے سے کچھ کہا، وہ حضرت ابواحمد بن جحش کے پاس آئے اور سرگوشی کی جس پر حضرت ابواحمد اونٹ سے اتر آئے اور لوگوں میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد کسی نے ان سے گھر کا نام تک نہ سنا۔ حضرت ابواحمد کے بچے بتاتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ فرمایا تھا: اللہ تمھیں اس گھر کے بدلے میں جنت میں گھر دے دے گا۔ صحابہ نے بھی ان کو تسلی دی: آپ پسند نہیں کرتے کہ جو مال اللہ کی راہ میں چلا گیا، اس کی واپسی کی کوشش کی جائے۔ اس موقع پر حضرت ابواحمد نے ابوسفیان کو مخاطب کر کے یہ شعر کہے:

أبلغ اباسفيان عن
أمر عواقبه ندامه

”ابوسفیان کو اس معاملے کے بارے میں بتا دو جس کے نتائج شرم ساری ہوں گے۔“

دار ابن عمك بعتها
تقضى بها عنك الغرامه

”اپنے چچیرے کا گھر تو بیچ ڈالا، اس کے بدلے میں تجھے تاوان دینا ہو گا۔“

عہد فاروقی

حضرت عمر نے منع کر رکھا تھا کہ انصار مدینہ اور مشرکین مکہ کے ایک دوسرے کے خلاف کہے اشعار سنائے جائیں۔ غلبۂ اسلام سے دور جاہلیت ختم ہو چکا، اس لیے گڑے مردے اکھاڑ کر پرانی نفرتوں کو تازہ نہ کیا جائے۔ اسی زمانے میں مکہ کے دو مشہور شاعر عبداللہ بن زبعری اور ضرار بن خطاب جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو چکے تھے، مدینہ آئے اور حضرت ابواحمد بن جحش کے مہمان ہوئے۔ ان کے کہنے پر حضرت ابواحمد نے حضرت حسان بن ثابت انصاری کو بلایا اور اپنا اپنا کلام سنانے کی فرمایش کی۔ حضرت حسان نے مناسب سمجھا کہ وہ ابتدا کریں، لیکن جب انھوں نے اپنے پرانے بغض اسلام پر مبنی اشعار پڑھنے شروع کیے تو وہ غصے سے کھولنے لگے۔ ان کا ردعمل دیکھ کر ابن زبعری اور ضرار اپنی سواریوں کی طرف لپکے اور مکہ کا رخ کیا۔ حضرت حسان حضرت عمر کے پاس پہنچے اور انھیں پوری بات بتائی۔ حضرت عمر نے فوراً ان دونوں کو واپس بلایا اور صحابہ کے بھرے مجمع میں حضرت حسان کو ان کے اشعار کا جواب دینے کو کہا۔ اس کے بعد عبداللہ بن زبعری اور ضرار بن خطاب سے فرمایا: تم مدینہ میں رہنا چاہتے ہو تو بہت خوب اور اگر مکہ واپس جانا چاہتے ہو تو تمھاری خوشی۔ پھر

حاضرین کو مخاطب کیا: میں نے اس ناخوش گواری سے بچنے کے لیے اہل شرک اور اہل اسلام کے مابین ہونے والی قیل و قال دہرانے سے منع کیا تھا، لیکن اگر تم اس پر راضی نہیں تو بے شک اپنی شاعری لکھو اور یاد کرو (الأغاني:أخبار حسان بن ثابت ونسبه)۔

اولاد

صحابہ کے سوانح نگاروں نے حضرت ابواحمد بن جحش کی پہلی بیوی حضرت فارعہ بنت ابوسفیان سے کسی اولاد کا ذکر نہیں کیا۔ ان کی نام بھلا دینے والی کنیت ابواحمد اور حضرت فارعہ کی کنیت ام احمد سے، ایسے لگتا ہے کہ احمد ان کے بیٹے تھے، لیکن کسی نے ان کا نام بھی نہیں لیا۔ امریکا کی نو مسلم خاتون Aisha Bewely (تاریخ پیدایش: ۱۹۴۸ء) نے "طبقات ابن سعد" کا انگریزی ترجمہ کیا جو ۱۹۹۵ء میں لندن سے شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے ایسی تفصیلات بھی بیان کیں جو اصل عربی نسخے میں نہیں ملتیں۔ آٹھویں جلد کے ترجمے کا نام انھوں نے "The Women of Madina" رکھا۔ اس میں انھوں نے حضرت ابواحمد بن جحش کے دو بیٹے عبداللہ اور اسامہ بتائے ہیں۔

حضرت ابواحمد بن جحش نے حضرت قریبہ بنت قیس (ام حارث) سے شادی کی تو ان سے عبداللہ بن ابواحمد کی ولادت ہوئی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وفات

ابن اثیر کا بیان ہے: ۲۰ھ (۶۴۱ء) میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کا انتقال ہوا۔ اپنی بہن کے رخصت ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد حضرت ابواحمد بن جحش نے وفات پائی۔ Aisha Bewely نے اس موقع کی جو تفصیل بیان کی ہے ہمیں عربی متن میں نہیں ملی: حضرت ابواحمد اپنی بہن کے جنازے کو کندھا دینا چاہتے تھے۔ حضرت عمر نے معذوری کی وجہ سے انھیں منع کیا، لوگ بھی میت اٹھانے کے لیے بڑھے، لیکن حضرت ابواحمد نے جذباتی ہو کر روتے ہوئے کہا: زینب کی وجہ سے ہمیں بہت برکتیں حاصل تھیں اور ان سے ہماری زندگی کی تلخیاں انگبیں ہوتی تھیں۔ تب حضرت عمر خاموش ہو گئے۔ حضرت ابواحمد قبر کے کنارے پر کھڑے رہے، ان کے دو بیٹے اور دو بھتیجے لحد میں اترے۔

ابن حجر کہتے ہیں: یہ درست نہیں، اصل میں حضرت ابواحمد نے اپنی بہن کی زندگی ہی میں وفات پائی، دلیل میں وہ یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ حضرت زینب بنت ابوسلمہ حضرت ابواحمد کی وفات کے کچھ دنوں بعد حضرت

زینب بنت جحش سے ملنے گئیں تو انھوں نے خوشبو منگا کر لگوائی اور کہا: مجھے خوشبو لگانے کی ایسی ضرورت نہ تھی، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب آپ منبر پر تشریف فرما تھے، یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو عورت اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے خاوند کے علاوہ کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے (بخاری، رقم ۵۳۳۵۔ مسلم، رقم ۳۷۱۹)۔ حضرت عبداللہ بن جحش نے بھی اپنی بہن حضرت زینب کی زندگی میں وفات پائی، وہ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ حضرت زینب کی تدفین کے وقت حضرت عبداللہ بن جحش کے بیٹے محمد اور حضرت ابواحمد بن جحش کے بیٹے عبداللہ قبر میں اترے، جب کہ ان کے دونوں بھائی موجود نہ تھے۔

مطالعۂ مزید: الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، أنساب الأشراف (بلاذری)، الأغانی (ابو الفرج اصفہانی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، السیرۃ النبویۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، The Women of Madina, (Aisha Bewely) Wikipedia۔

حضرت اسماء بنت سلمہ رضی اللہ عنہا

نسب

حضرت اسماء کے والد کا نام سلمہ (یا سلامہ) بن مخرمہ تھا۔ نہشل بن دارم ان کے پانچویں، جب کہ تمیم بن مر گیارھویں جد تھے۔ انھی کے نام سے ان کا قبیلہ بنو تمیم کہلاتا ہے۔ حضرت اسماء ان دونوں آبا کی نسبت سے تمیمی اور دارمی کہلاتی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت زہیر تمیمی تھا۔

سبقت الی الاسلام

حضرت اسماء بنت سلمہ ان صحابیات میں سے تھیں جن کی شان اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں 'السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ' (التوبہ ۹: ۱۰۰) کے الفاظ سے بیان کی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کی شادی ابوجہل کے ماں شریک، سوتیلے بھائی حضرت عیاش بن ابوربیعہ مخزومی کے ساتھ ہو چکی تھی۔ ۵/ نبوی میں دونوں میاں بیوی اکٹھے ایمان لائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دار ارقم میں تشریف فرما نہ ہوئے تھے۔ سبقت الی الاسلام میں ان کا نمبر

ستائیسواں تھا۔

ہجرت حبشہ

دین حق کی دعوت اہل مکہ کے دلوں پر اثر کرنے لگی اور دین اسلام کا چرچا ہونے لگا تو مشرک سرداروں کو اپنے بتوں کی خدائی خطرے میں نظر آنے لگی۔ انھوں نے نو مسلم کم زوروں اور غلاموں پر ظلم و ستم ڈھانے شروع کر دیے۔ اپنے اعزہ اور بھائی مشرک لیڈر ابو جہل کا خاص نشانہ تھے۔ ان حالات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عیاش بن ابو ربیعہ بھی سوے حبشہ روانہ ہو گئے، حضرت اسماء اس سفر میں ان کے ساتھ تھیں، وہیں حضرت عبداللہ بن عیاش کا جنم ہوا۔ اسی سال شوال کے مہینے میں قریش کے قبول اسلام کی افواہ حبشہ کے مہاجرین تک پہنچی تو حضرت عیاش اپنے کنبے سمیت مکہ واپس آ گئے اور یہیں مقیم ہو گئے، حبشہ واپس نہ گئے۔ ابن اسحاق اور ابن کثیر نے مہاجرین حبشہ کی فہرست میں حضرت اسماء بنت سلمہ کا ذکر نہیں کیا۔

ہجرت مدینہ

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مدینہ ہجرت کرنے کا اذن دیا تو حضرت عیاش بن ابو ربیعہ حضرت عمر کے ساتھ قبا پہنچے۔ ان کا ماں جایا ابو جہل بھی پیچھے پیچھے پہنچ گیا اور کہا کہ والدہ نے قسم کھائی ہے کہ وہ سر میں تیل لگائے گی نہ سائے میں بیٹھے گی، جب تک تمھیں دیکھ نہ لے گی۔ یوں بہلا پھسلا کر اس نے انھیں واپسی پر آمادہ کیا، مگر راستے میں رسیوں سے باندھا اور مکہ لا کر قید خانے میں ڈال دیا۔ ان کے محبوس ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اور مکہ میں قید دوسرے مسلمانوں کے لیے دعاے قنوت مانگنا شروع کی۔ حضرت عیاش کی رہائی غزوۂ خندق کے بعد ہوئی۔ حضرت اسماء بنت سلمہ مدینہ کے سفر ہجرت میں حضرت عیاش کے ساتھ تھیں اور ان کے مکہ واپس جانے کے بعد وہیں رک گئیں۔

نام اور کنیت کا التباس

حضرت عیاش کی والدہ کا نام بھی اسماء تھا۔ حضرت اسماء بنت مخرمہ، سلمہ بن مخرمہ کی بہن، یعنی حضرت اسماء بنت سلمہ بن مخرمہ کی پھوپھی تھیں۔ ابو جہل بن ہشام، حارث بن ہشام، حضرت عیاش بن ابو ربیعہ اور حضرت عبداللہ بن ابو ربیعہ ان کے بیٹے تھے۔ وہ اپنی کنیت ام الجلاس سے مشہور ہیں۔ حضرت اسماء بنت سلمہ کی کنیت ام الجلاس بتانا درست نہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں: ابن مندہ نے حضرت اسماء بنت سلمہ اور حضرت اسماء بنت مخرّمہ

کے حالات زندگی خوب گڈ مڈ کیے ہیں۔

اولاد

حضرت اسماء کی بیٹی حضرت ام حارث صحابیہ تھیں۔ ان کے پوتے حارث بن عبد اللہ اجل تابعین میں سے تھے۔ قباع ان کا لقب تھا۔ حارث کے بیٹے عبد الرحمٰن کا شمار کبار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔

حضرت اسماء بنت سلمہ کا سن وفات معلوم نہیں، البتہ حضرت عیاش ۱۵ھ میں جنگ یرموک یا جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔

روایت حدیث

حضرت اسماء بنت سلمہ نے حدیث براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عیاش نے ان سے روایت کی۔

مطالعۂ مزید: الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، ویکیپیڈیا الموسوعۃ الحرۃ۔

اصلاح و دعوت

محمد تہامی بشر علوی

قیام مومن

خدا نے مومنین کے لیے یہ طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ نماز میں قیام کی حالت اختیار کریں۔ چنانچہ ایک بندۂ مومن اس کے سامنے باادب ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس لمحے اس کی زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ خدا کی ثنا میں ڈوبا ہوتا ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کلمات و مناجات پر غور کیا جائے تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس طرح ایک عبد کامل اپنے خدا کے حضور ثنا و مناجات کے جذبات لیے حاضر ہوتا ہے۔ کوئی چاہے تو انھی الفاظ میں اپنے احساسات شامل کر کے وہی الفاظ ثنا و مناجات کے لیے ادا کر سکتا ہے، اور کوئی چاہے تو اپنے احساسات اپنی زبان میں ادا کر دے۔ یہاں جناب جاوید احمد صاحب غامدی کی کتاب ”میزان“ کے باب ”نماز“ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ادا کردہ چند الفاظ نقل کیے جاتے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو تکبیر کے بعد اِس طرح کہتے تھے:

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَنْتَ رَبِّيْ وَأَنَا

”میں نے تو اپنا رخ بالکل یک سو ہو کر اُس ہستی کی طرف کر لیا ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ میری نماز اور میری قربانی، میرا جینا اور مرنا، سب اللہ پروردگار عالم کے لیے ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اِسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عَبْدُكَ، ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ، فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ، وَاهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا، لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ، لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِيْ يَدَيْكَ، وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ، أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ. (مسلم، رقم ۱۸۱۲)

میں سے ہوں۔ اے اللہ، تو بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ تو میرا پروردگار ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم ڈھایا ہے اور اب اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔ پس تو میرے سب گناہ بخش دے، اِس میں شبہ نہیں کہ گناہوں کو تو ہی بخشتا ہے۔ اور مجھے اچھے اخلاق کی ہدایت عطا فرما، اِن کی ہدایت بھی تو ہی دیتا ہے۔ اور برے اخلاق کو مجھ سے دور کر دے، اِن کو دور بھی مجھ سے تو ہی کرے گا۔ میں حاضر ہوں، پروردگار، تیرا حکم بجا لانے کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔ تمام بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور برائی کی نسبت تیری طرف نہیں ہے۔ میں تیری قوت سے قائم ہوں اور مجھے لوٹنا بھی تیری ہی طرف ہے۔ تو برکت والا ہے، بلند ہے۔ میں تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔"

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ام المومنین سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی ابتدا اِن کلمات سے کرتے تھے:

سُبْحَانَكَ، اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ، وَلَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ. (ابوداؤد، رقم ۷۷۶)

"اے اللہ، تو پاک ہے اور ستودہ صفات بھی۔ تیرا نام بڑی برکت والا ہے، تیری شان بڑی بلند ہے، اور تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔"

ام المومنین ہی کی روایت ہے کہ رات کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِس دعا سے شروع کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ، رَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَإِسْرَافِيْلَ، فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ

"اے اللہ، جبریل و میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار، زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے،

وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ. اِهدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنْ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ.

(مسلم، رقم ۱۸۱۱)

غیب و حضور کے جاننے والے، تو اپنے بندوں کے مابین اُن کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔ حق کے معاملے میں جتنے اختلافات ہیں، تو اپنی توفیق سے اُن میں میری رہنمائی فرما۔ اِس میں شبہ نہیں کہ تو جس کو چاہتا ہے، (اپنے قانون کے مطابق) سیدھی راہ کی ہدایت بخشتا ہے۔‘‘

اس ثنا کے بعد ہم نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس سورہ میں ہم خدا سے عہد بندگی کی تجدید کرتے ہیں۔ اس کے سامنے اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے بندگی کا رشتہ تیرے سوا کہیں اور استوار نہیں کرنا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ خدایا! ہم اپنے وجود و بقا سے لے کر زندگی کے ہر ہر مرحلے میں تیرے ہی محتاج ہیں، سو ہم تجھی سے ہر گھڑی مدد کے خواست گار ہیں۔ ہم اس سے درخواست کرتے ہیں کہ عملی زندگی میں ہمیشہ درست راہ کا انتخاب ایک مشکل امتحان ہے، خدایا! تو ہر موڑ پر ہمیں درست راہ سجھا دینا۔ صراط مستقیم زندگی کے کسی مرحلے میں ہم سے گم نہ ہو جائے۔ اس دعا میں مانگی جانے والی یہ چیز اتنی اہم ہے کہ اسی کی بنیاد پر مرنے کے بعد کی ہمیشہ والی زندگی کا فیصلہ ہو گا۔ زندگی کا یہ دوسرا اخروی حصہ ہمیشہ کے لیے ہے، وہاں کسی کے لیے فنا یا موت نہیں۔ اس ہمیشہ کی زندگی کے قوانین دنیوی زندگی سے مکمل مختلف ہوں گے۔ وہاں منتخب لوگوں کے سوا کسی کو مرضی سے سانس بھی نہ لینے دیا جائے گا۔ وہاں، امتحان کی خاطر ملنے والی آزادی، انسانوں سے سلب ہو جاتی ہے۔ وہاں مال و دولت، اور عہدوں اور اختیارات کی بنیاد پر کامیابی کا کوئی تصور نہیں۔

اس دعا کا تعلق اسی اہم ترین چیز سے ہے جس کے مل جانے کے بعد ہی اُس دائمی جہاں میں کامیابی کا جینا نصیب ہو سکے گا۔ وہ دعا وہی ہے جسے سورۂ فاتحہ کا نام دے کر قرآن مجید کا مقدمہ بنا دیا گیا ہے۔ اس دعا کے الفاظ یہ ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. الرَّحْمٰنِ

’’شکر اللہ ہی کے لیے ہے، عالم کا پروردگار[1]۔

۱۔ اصل میں لفظ ’اَلْحَمْدُ‘ استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں یہ کسی کی خوبیوں اور کمالات کے اعتراف کے لیے بولا جاتا ہے۔ پھر اِن خوبیوں اور کمالات کا فیض اگر حمد کرنے والے کو بھی پہنچ رہا ہو تو اِس میں شکر کا مفہوم آپ سے آپ شامل

الرَّحِيۡمِ. مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ. اِيَّاكَ نَعۡبُدُ
وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ. اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ.
صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ
الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ.

سراسر رحمت، جس کی شفقت ابدی ہے۔ جو روزِ جزا
کا مالک ہے۔ (پروردگار)، ہم تیری ہی عبادت
کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں سیدھی
راہ کی ہدایت بخش دے۔ اُن لوگوں کی راہ جن پر تو

ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف (۷) آیت ۴۳، سورۂ یونس (۱۰) آیت ۱۰ اور سورۂ ابراہیم (۱۴) آیت ۳۹ میں اِس کے نظائر سے واضح ہوتا ہے کہ ’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ‘ کی ترکیب میں یہ بالعموم اُسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جسے ہم لفظ ’شکر‘ سے ادا کرتے ہیں۔ اِس سورہ میں، اگر غور کیجیے تو یہ اُس جذبۂ شکر و سپاس کی تعبیر ہے جو اللہ تعالیٰ کی عالم گیر ربوبیت اور بے پایاں رحمت کے مشاہدے اور قیامت میں اُس کی ہمہ گیر دینونت کے بارے میں انبیا علیہم السلام کی تذکیر سے پیدا ہوتا ہے یا پیدا ہونا چاہیے۔

اللہ کا نام لفظ ’اِلٰہ‘ پر الف لام داخل کر کے بنا ہے، نزولِ قرآن سے پہلے عرب جاہلیت میں بھی یہ نام اُسی پروردگار کے لیے خاص تھا جو زمین و آسمان اور اُن کے مابین تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ اہل عرب مشرک ہونے کے باوجود اپنے دیوی دیوتاؤں میں سے کسی کو بھی اُس کے برابر قرار نہیں دیتے تھے۔

اصل میں ’رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ رب کے معنی اصلاً پالنے والے کے ہیں۔ پھر اِس مفہوم کے لازمی نتیجے کے طور پر مالک اور آقا کے معنی اِس لفظ میں پیدا ہوئے اور اردو کے لفظ ’پروردگار‘ کی طرح اِس پر ایسا غلبہ حاصل کر لیا کہ پرورش کرنے والے کے معنی میں اِس کا استعمال عربی زبان میں باقی نہیں رہا۔ سورہ کی ابتدا جس جذبۂ شکر کی تعبیر سے ہوئی ہے، یہ ’رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ‘ اور اِس کے بعد کی صفات اُس کی دلیل ہیں جو استدلال کے طریقے پر نہیں، بلکہ ایک بدیہی حقیقت کے اعتراف و اقرار کے اسلوب میں بیان ہوئی ہیں۔ یعنی شکر اُس اللہ کے لیے ہے جو پوری کائنات کا مالک ہے۔ ہم اُس کی مخلوق ہیں۔ چنانچہ وہی ہمارا بھی مالک ہے۔ ہم دنیا میں قدم نہیں رکھتے کہ ہماری پرورش، نگہداشت اور تربیت کا پورا سامان اُس مالک کی طرف سے بالکل تیار موجود ہوتا ہے۔ پھر جب تک ہم زندہ رہتے ہیں، صبح و شام اِس حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ سورج، چاند، ابر و ہوا، غرض یہ کہ کائنات کے سب چھوٹے بڑے عناصر ہماری ہی خدمت کے لیے سرگرم عمل ہیں اور اِس لیے سرگرم عمل ہیں کہ اُن کی باگ ایک ایسی ہستی کے ہاتھ میں ہے جو اُن کے دائرۂ عمل اور اُن کی غایت اور مقصود سے اُنھیں سرمو انحراف کی اجازت نہیں دیتی۔ ’رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ‘ یہاں اِسی حقیقت کی تعبیر ہے۔

(الفاتحہ ۱:۱-۶)

نے عنایت فرمائی ہے، جو نہ مغضوب ہوئے ہیں، نہ
راہ سے بھٹکے ہیں۔''[2]

---

[2] یعنی اُن لوگوں کی راہ جنھیں تو نے اپنی ہدایت سے نوازا اور اُنھوں نے پورے دل اور پوری جان کے ساتھ اِس طرح اُسے قبول کیا کہ تیری نعمت ہر لحاظ سے اُن پر پوری ہو گئی۔ سورۂ نساء (۴) کی آیت ۶۹ میں وضاحت ہے کہ اِس سے مراد انبیا و صدیقین اور شہدا و صالحین کی مقدس جماعت ہے۔

یعنی وہ لوگ جنھوں نے اپنی سرکشی کے باعث اِس ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا یا قبول کیا تو دل کی آمادگی سے قبول نہیں کیا اور ہمیشہ اِس سے انحراف پر مصر رہے۔ خدا کے جن بندوں نے اُن کی اصلاح کرنا چاہی، اُنھیں جھٹلایا، یہاں تک کہ اُن میں سے بعض کو اذیتیں دیں اور بعض کو قتل کر دیا۔ چنانچہ اپنے اِن جرائم کی پاداش میں وہ خدا کے غضب کے مستحق ٹھیرے۔ اِس میں اشارہ یہود کی طرف ہے جن پر آگے سورۂ بقرہ میں اتمام حجت کیا گیا ہے۔

یعنی جنھوں نے دین کا چہرہ اپنی بدعتوں اور ضلالتوں سے اِس طرح مسخ کر دیا کہ اب خود بھی اُسے پہچاننے سے قاصر ہیں۔ اِس میں اشارہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے پیرووں کی طرف ہے جن پر آگے سورۂ آل عمران میں اتمام حجت کیا گیا ہے (البیان، جاوید احمد غامدی ۲۳)۔

وفیات

محمد ذکوان ندوی

مولانا وحید الدین خاں[1]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۲۱/ اپریل ۲۰۲۱ء کی رات کو نئی دہلی میں مشہور داعی اور مفکر مولانا وحید الدین خاں (۱۹۲۴ء-۲۰۲۱ء[2]) کی وفات ہو گئی۔ قمری تقویم (۱۳۴۲ھ-۱۴۴۲ھ) کے اعتبار سے بوقت وفات، مولانا کی عمر تقریباً سو سال ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم پر اپنی خاص رحمتیں نازل کرے، عفو و درگذر کا معاملہ کرے اور بلندی درجات سے سرفراز کر کے اُنھیں اپنے پڑوس میں جگہ عطا فرمائے۔

خدا نے مختلف پہلوؤں سے مولانا کی زندگی میں بے پناہ برکت عطا فرمائی، یہ بلاشبہ، اِسی برکت کا نتیجہ تھا کہ اُنھیں تقریباً ایک صدی تک کام کا موقع ملا۔ وہ اپنے مشن کے تحت تادم آخر، نسل نو کی تربیت اور عصری اسلوب میں اسلام کی صداقت کا فکری اظہار کرتے رہے۔ مولانا کی زندگی میں دعوت و حکمت، صبر واِعراض، تعمیر شخصیت، سادگی، مقصدیت اور انسانی عجز (helplessness) کے گہرے شعوری ادراک جیسے متعدد اہم پہلو موجود ہیں۔ تاہم مولانا کے ایک قریبی رفیق[3] کی حیثیت سے میں کہوں گا کہ مولانا کی زندگی کا سب سے

۱۔ اِس تحریر میں مولانا کی زندگی اور اُن کے فکر کا مفصل تذکرہ اور علمی تجزیہ ہمارے پیش نظر نہیں۔

۲۔ ماہنامہ الرسالہ، نئی دہلی، اکتوبر ۲۰۱۰ء، صفحہ ۱۸۔

۳۔ راقم کو ۲۰۰۵ء سے ۲۰۱۴ء کے طویل عرصے میں جس انداز سے براہ راست مولانا کی قربت حاصل رہی ہے اور جس طرح گھر کے ایک فرد کے مانند قریب رہ کر میں نے اُن کے شب و روز دیکھے ہیں، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے خدا کا ایک عجیب معاملہ تھا۔ تقریباً دس سال تک مولانا کے پڑوس میں اپنے قیام کے باعث دیگر اوقات کے علاوہ، میرا یہ مستقل معمول تھا کہ میں صبح کو نو بجے سے ایک بجے تک انتہائی پابندی کے ساتھ برابر مولانا کے ساتھ کام کرتا رہا؛ یہاں تک کہ

نمایاں پہلو تھا —— خدا کا ذِکر اور آخرت کی یاد دِہانی۔

خدا کا ذکر اور آخرت کا چرچا مولانا کی زندگی کا غالب عنوان تھا۔ اُن کا لکھنا، اُن کا بولنا، اُن کی جلوت اور اُن کی خلوت اِس ذکر سے معمور رہتی تھی۔ خدا نے اُن کو مسلسل سوچنے اور عبرت پذیری (التفکّر وَالْاِعْتِبار) کی بے پناہ صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ میں نے تنہائیوں میں اکثر اُنھیں جس طرح خدا اور جنت کے لیے بے چین و مضطرب پایا ہے، وہ یقیناً خدا کی خصوصی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ مولانا تاریخ کے اُن چند لوگوں میں سے تھے جنھیں خدا نے 'تکبیرِ رب' (المدثر ۷۴: ۳) میں جینے کی عظیم سعادت سے بہرہ یاب فرمایا تھا۔ 'وَلا أُزَكِّيْ عَلَى اللهِ أَحَدًا، وَمَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ'۔

جن لوگوں کو مولانا کی ذاتی مجالس میں شرکت کا موقع ملا ہے، وہ اِس بات کی گواہی دیں گے کہ اُن کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا خدا نے اُنھیں اِسی کام کے لیے پیدا کیا ہے، اِس کے سوا اُنھیں ہر دوسرے کام کے لیے ناموزوں بنا دیا گیا ہے۔ مولانا سیاسی غلبے کے بجائے فکری غلبے میں یقین رکھتے تھے۔ وہ گویا اِس معاملے میں، بلاتشبیہ 'اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ'[۴] کا ایک زندہ نمونہ تھے۔

مولانا کی شخصیت کا مذکورہ ربانی پہلو یا 'نفس ناطقہ'[۵] (divine spark) اُن کی زندگی کا سب سے زیادہ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ناگزیر ضرورت کے علاوہ، اِس میں کبھی عیدین اور دفتری تعطیل کے ایام میں بھی وقفہ نہیں ہوا۔ مولانا کے ساتھ میری رفاقت کی یہ سرگذشت بے حد دل چسپ بھی ہے اور انتہائی سبق آموز بھی۔ یہ سرگذشت بہت سے واقعات کی صورت میں سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے جو تحریری اور صوتی، مختلف انداز میں، محفوظ ہے۔ اگر حالات نے اجازت دی تو شاید اِس رفاقت کے بعض قابل ذکر پہلو کبھی سامنے آسکیں۔ البتہ الرسالہ مشن کے بعض فکری اور عملی پہلو پر راقم کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں ہمارا مقالہ ''علم و دعوت کا توازن'' (ماہنامہ اشراق، لاہور، جنوری ۲۰۱۸ء)۔ یہ پورا مقالہ اشاعت (اشراق ہند، ۲۰۱۷ء) کے بعد ہی مولانا مرحوم کے مطالعے میں آگیا تھا۔

مولانا کی تربیت اور اُن کے فیضِ صحبت سے مجھ جیسے طالب علم کو جو کچھ ملا ہے، اُس کے تئیں میرا دل خدا اور اُس کے اِس عظیم بندے کے لیے سراپا دعا و سپاس ہے۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ ابد تک مولانا کو اِس عظیم احسان کے لیے جزائے خیر سے ہم کنار کرتا اور اُن پر اپنی بے پایاں رحمتوں اور عنایتوں کا لامتناہی ابر کرم برساتا رہے گا۔ 'جزاهُ اللهُ عنّا وعنِ المسلمين خيرَ الجزاءِ، وجعَله في ميزان حَسَناتِه'۔

[۴] ص ۳۸: ۴۶۔ ''ہم نے اُن کو ایک خاص کام، یعنی دار آخرت کی یاد دہانی کے لیے منتخب کر لیا تھا۔''

[۵] 'نفس ناطقہ' کا نفسیاتی تجزیہ اور عمل کے محرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی تحریر فرماتے ہیں:

غالب پہلو تھا۔ رسمی دعا، گروہی نجات اور موروثی تصور جنت کے بجاے اُس کی والہانہ تڑپ، خدا کی محبت اور ہر موقع (occasion) پر زندہ اور تخلیقی ذِکر و شکر مولانا کا نمایاں وصف تھا۔ خدا کی حمد و کبریائی کا یہ بیان اُن کے لیے ایک لطیف مشغلہ تھا۔ یہ گویا وہ 'شغل فاکہ' (یٰسٓ ۳۶: ۵۵) تھا جس کا 'بے حساب رزق' خدا کی خصوصی توفیق سے اُنھیں ملا ہوا تھا: 'اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ' (آل عمران ۳: ۳۷)۔

مولانا کی تقریر و تحریر اِس ذکر جمیل سے اِس قدر معمور ہے کہ کوئی بھی شخص بخوبی طور پر اُسے دیکھ اور سن سکتا ہے۔ تاثراتی نوعیت کی اِس تحریر میں اُس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ اگر کوئی شخص چاہے تو وہ مولانا کی صرف ایک کتاب ''اللہ اکبر'' (۱۹۸۶ء) میں خدا کی خدائی کا یہ لافانی نغمہ اور خدا کی عظمت کا یہ ربانی بیان ملاحظہ کر سکتا ہے[٦]۔

اِس اعتبار سے، مولانا کا دعوتی اور تذکیری مشن گویا تاریخ کے لیے ایک عظیم دھکا (push) تھا، جس نے فنی، کلامی اور قانونی موشگافیوں کے جنگل میں خدا کی زندہ یاد اور اِنذار آخرت کا ایک زلزلہ انگیز صور پھونک دیا، جس نے وقت کے اسلوب میں تاریخ کے روایتی اور 'بے روح مذہبی' دھارے کو موڑ کر خدا کے ذکر اور آخرت کی یاددہانی کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر مبرہن کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اِس اعتبار سے یہ کہنا درست ہو گا کہ مولانا کا اصل مشن بے خدا 'مذہبیت'[٧]، بے روح عبادت، دنیا پرستی، غیر عارفانہ دین داری، بے خوف ذہنیت،

> ''اِن میں سے پانچواں محرک —— نفس ناطقہ یا روح ملکوتی —— بلاشبہ اِس اعتبار سے قابل اعتماد ہے کہ یہ ایک عقلی اور اخلاقی محرک ہے۔ اِس کی روح ملکوتی اور اِس کی پرواز ہمیشہ خدا کی طرف ہے، اِس وجہ سے اِس سے یہ اندیشہ نہیں ہے کہ یہ انسان کو اِسی دنیا کی کسی دلدل میں پھنسا دے۔ لیکن غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ تمام خوبیوں کے ساتھ ایک نقص اِس کے اندر بھی ہے اور وہ ہے اِس کے مزاج کا یک رُخا پن۔ اپنے اِس یک رُخے پن کے سبب سے اِس کا حال یہ ہے کہ اگر اِس کو بغیر کسی روک ٹوک کے اپنی رَو پر بہنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تو یہ دوسرے محرکات (ضروریات، خواہشات، جذبات، وغیرہ) کے ساتھ کوئی رواداری برتنے پر آمادہ نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات اُن کو نہ صرف نظر انداز کر کے، بلکہ اُن کو کچلتا اور پامال کرتا ہوا نکل جاتا ہے۔ اِس سے زندگی کے اندر وہ ناہمواریاں اور بے اعتدالیاں پیدا ہوتی ہیں جس کے مظاہر ہم جوگیوں، راہبوں اور درویشوں کی زندگیوں میں دیکھتے ہیں۔'' (تزکیۂ نفس ۲۳۲)

٦۔ جدید الحاد کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں مولانا کی مشہور کتاب ''مذہب اور جدید چیلنج'' (۱۹۶۶ء) جو عربی میں ''الإسلام يتحدّىٰ'' (۱۹۷۰ء) اور انگریزی میں ''God Arises'' (۱۹۸۵ء) کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

٧۔ آج کل تقریباً تمام 'مذہبی' گروہوں کے درمیان جس طرح خدا کے خوف اور محبت سے خالی بے روح 'مذہبیت' کا

غیر حکیمانہ روش، نفرت و تعصب، 'ہم اور وہ' (we and they) جیسے خانوں میں انسانیت کی تقسیم، جاہلانہ قومیت، جنون عظمت (maglomania) اور پر فخر نفسیات کے اِس ماحول میں یاد خدا سے معمور اسلامیت، روح سے بھرپور عبادت، عارفانہ دین داری، خاشعانہ مزاج، حکیمانہ طریقہ، دانش مندانہ روش، روشن مستقبل، مثبت طرز فکر، امت مسلمہ اور دوسرے لوگوں کے درمیان دشمن اور حریف کے بجائے داعی اور مدعو کے رشتے کی تجدید، نصح و خیر خواہی، پر امن جدوجہد؛ الغرض 'انسان رُخی' (Insan-oriented) اور 'آخرت رُخی' (Akhirah-oriented) طرز فکر کا اپنے منفرد اسلوب[۸] میں ایک طاقت ور دعوتی اور فکری اظہار تھا۔

ایک وضاحت

تاہم، یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر شخص کے اندر نہ اِس طرح کے اظہار معرفت کا ذہن پایا جاتا ہے اور نہ اِس کی قدرت۔ مزید یہ کہ اِس قسم کا اظہار معرفت نہ ہر شخص سے مطلوب ہے اور نہ وہ اُس کی معرفت کا کوئی حقیقی معیار ہے۔ خدا کے دین میں ہر شخص کو صرف بقدر استطاعت دعوت و معرفت کا مکلف (البقرہ ۲: ۲۸۶) بنایا گیا ہے۔ ایسی حالت میں مولانا یا کسی اور عالم کی نسبت سے کسی شخص کا یہ سمجھنا کہ ''اُن کے علاوہ کوئی شخص اِن حقائق سے بہرہ یاب نہ ہو سکا یا رسول اور اصحاب رسول کے بعد تاریخ میں کسی اور نے دعوت الی اللہ[۹] کا کام نہیں

عمومی فیشن رائج ہے، یہاں 'بے خدا مذہبیت' کی تعبیر کے ذریعے سے اِسی ظاہرے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

[۸] مولانا کا اسلوب تحریر اپنے وضوح اور ابلاغ جیسی خوبیوں کی بنا پر ایک منفرد اسلوب ہے۔ ابتدا میں ادب کا یہ ذوق مولانا کے اندر اپنے عم زاد بھائی اقبال احمد خاں سہیل (وفات: ۱۹۵۵ء) کی علمی رفاقت سے پروان چڑھا، جو علامہ شبلی نعمانی (وفات: ۱۹۱۴ء) کے براہ راست شاگردوں میں سے تھے۔ اِس کے بعد دو مشہور اہل علم — امین احسن اصلاحی (وفات: ۱۹۹۷ء) اور سید ابو الاعلیٰ مودودی (وفات: ۱۹۷۹ء) جیسے صاحب طرز انشا پردازوں میں — اول الذکر سے ابتداءً براہ راست تلمذ اور ثانی الذکر سے فکری استفادہ (تمہید 'علم جدید کا چیلنج'، مطبوعہ: مجلس تحقیقات و نشریات، لکھنؤ) اور عملی رفاقت کی بنا پر مولانا کا اسلوب ترقی پذیر رہا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ خود ایک منفرد اسلوب بن گیا۔ ادبی تنقید کا ذوق رکھنے والا ایک شخص مولانا کے اسلوب میں مذکورہ دونوں اہل علم کی لفظیات، اُن کے ادب و انشا کا رنگ و آہنگ اور اسلوب کا جلال و جمال دیکھ سکتا ہے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ اِس پر یہاں اِس سے زیادہ کلام کی گنجایش نہیں۔

[۹] یہاں اِس موضوع کے تفصیلی تجزیہ کا موقع نہیں۔ سر دست مشہور مستشرق پروفیسر تھامس واکر آرنلڈ (وفات: ۱۹۳۰ء) کی کتاب ''The Preaching of Islam'' کا مطالعہ اِس معاملے کی حقیقت کو جاننے کے لیے کافی ہو گا۔ اِس کتاب کا اردو ترجمہ ''دعوت اسلام'' (ادارہ نشریات، لاہور) کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب آن لائن

کیا‘‘، سرتاسر ایک خلاف واقعہ بات ہوگی۔

اِس قسم کی غیر ضروری ’ترجیح و تفضیل‘ داعیانہ تواضع کے بھی خلاف ہے اور عالمانہ بصیرت کے بھی خلاف۔ اِس قسم کا ذہن بلاشبہ، اُس جاہلی عصبیت (العَصَبِيّةُ الجَاهِلِيّة) کا تسلسل ہے جس نے امت میں اتحاد اور باہمی اعتراف کے بجاے فرقہ سازی (sect-making) اور تفریق کا ظاہرہ برپا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مقصد کے بجاے گروہ اور خدا کے بجاے شخصیت کو اصل اہمیت دینا عملاً ہمیشہ عجب اور گروہ پرستی کی اُس برائی کو پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوا ہے جس کو قرآن میں ایک مشرکانہ عمل[۱۰] کے ہم معنی قرار دیا گیا ہے (الروم ۳۰: ۳۱-۳۲)۔ یہ جاہلی عصبیت عملاً خدا اور انسان، دونوں کے درمیان تفریق کا ذریعہ ہے، جو آدمی کے تمام اعمال کو ’باطل‘ اور بے نتیجہ بنا دینے والی ہے۔

ایک سچے داعی کا کام کسی شخص یا گروہ کو گھٹانا یا بڑھانا نہیں، بلکہ علم و اخلاص کے ساتھ اپنا فریضہ انجام دینا ہے۔ ہم داعی ہیں، قاضی اور حاکم نہیں (دُعاة، لا قُضاة)۔ ہمیں ہر جگہ پائے جانے والے خیر کا ’اعتراف‘ اور تعاون کرتے ہوئے اپنا کام کرنا چاہیے۔ اِس قسم کا حکم لگانا بلاشبہ، خدا اور انسان، دونوں کا کم تر اندازہ کرنے کے ہم معنی ہوگا۔ کسی بھی شخص یا گروہ کا کام صرف اُسی وقت معتبر قرار پائے گا، جب کہ آخرت میں خداوند ذوالجلال اُس کی قبولیت کا اعلان فرما دے۔ اِس قسم کا ذہن ’دعوت‘ اور ’معرفت‘، دونوں کی اصل حقیقت اور اُس کے تقاضوں سے بے خبری کے سوا اور کچھ نہیں۔

اصل یہ ہے کہ بہت سے اہل علم کی بہ نسبت، خصوصی طور پر مولانا کے کام کا نمایاں عنوان دعوت اور تذکیر کا فکری اظہار بن گیا تھا۔ چنانچہ جس طرح ہر عالم اور مفکر کا عموماً ایک خاص موضوع ہوا کرتا ہے، مولانا کا بھی ایک خاص موضوع تھا۔ موضوع کی اِسی تقسیم کا نتیجہ ہے کہ اسلامی شریعت اور خود دور جدید کے بہت سے عصری موضوعات پر کسی حقیقی رہنمائی سے نہ صرف یہ کہ مولانا کا لٹریچر خالی ہے، بلکہ خود اپنے بیان کے مطابق، وہ اِس معاملے میں کوئی ’’حتمی راے‘‘[۱۱] دینے کی پوزیشن میں نہیں۔ مثلاً اسلام کی روشنی میں سود اور زکوٰۃ جیسے

(https://kitabosunnat.com) بھی دستیاب ہے۔

۱۰۔ ’الذین فرّقوا دینهم وکانوا شیعًا، هم المشرکون‘، یعنی جو لوگ ایک خدائی دین میں تفریق پیدا کر کے اُس کو کئی متفرق دین بنا دیں اور اِس طرح وہ باہم مختلف گروہ بن جائیں، وہ یقیناً ایک مشرکانہ عمل کا ارتکاب کرنے والے ہیں (تفسیر التحریر والتنویر، محمد طاہر بن عاشور ۲۱/ ۹۶)۔

۱۱۔ فکر اسلامی، مولانا وحید الدین خاں ۱۰۸۔

بنیادی موضوع سے متعلق دور جدید کے اہم اور نازک سوالات کا جواب اور اِس معاملے میں کتاب و سنت پر مبنی اسلام کی اصل تعلیمات کا عصری انطباق، وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ اِس دنیا میں پیغمبر کے سوا کوئی اور شخص نہ اُس طرح ‘مامور’ اور ‘مختار’ (chosen) ہے اور نہ اُسے اپنے پیغام کی نسبت سے ‘عِصمت’ کا وہ مقام حاصل ہے جو صرف انبیاے کرام کے لیے خاص ہے۔ یہ صرف خدا کا پیغمبر ہے جو اُس کی طرف سے ‘مامور’ ہو کر بے خطا طور پر خدا کا پیغام پہنچاتا ہے۔ اِس لیے پیغمبر کے سوا اور کوئی شخص ہرگز بے خطا (infallible) انسان نہیں ہو سکتا۔ مولانا بھی ایک ‘انسان’ تھے اور انسان جن چیزوں کا مجموعہ بنا کر پیدا کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ اُس سے الگ نہ تھے۔ ایسی حالت میں کسی شخص کا بر تر از زندگی (larger-than-life) تصور یا اُسے دور آخر میں ظاہر ہونے والی کوئی پر اسرار شخصیت یا ‘‘مردے از غیب’’ سمجھ لینا اُس کی عظمت نہیں، صرف تصغیر کے ہم معنی ہو گا۔ کسی انسان کی ساری عظمت اِسی میں ہے کہ وہ خدا کا ایک ‘بندہ’ (عَبْدٌ) بن کر اِس دنیا میں زندگی گزارے؛ عبدیت سے بڑا کسی آدمی کے لیے کوئی اور درجہ نہیں۔ عبدیت انسان کا عظیم ترین شرف ہے، نہ کہ کوئی باعث عار مقام (النساء ۴: ۱۷۲۔ الاعراف ۷: ۲۰۶۔ الانبیاء ۲۱: ۱۹)۔

انسان چونکہ ایک ‘توجیہ پسند مخلوق’ ہے۔ لٰہذا، ایک شخص کو ‘انسان’ نہ ماننے کی صورت میں اُس کی معرفت اور اُس کے فکر و عمل میں پائے جانے والے تضادات کی توجیہ بے حد مشکل ہو جاتی ہے۔ مثلاً بعض امور میں سخت بے اعتدالی اور یک رُخا طرز فکر، وغیرہ۔ تاہم، جب کسی شخص کو صرف ایک ‘انسان’ تسلیم کر لیا جائے تو یہ التباس فوراً ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ انسان بہر حال انسان ہے، وہ کبھی خطا و نقص سے پاک نہیں ہو سکتا۔ بے نقص و بے خطا ذات صرف اللہ کی ہے: ‘سبحان مَن تفرّد بالکمالِ وَحدَہ’۔ خدا کی عظمت اِس سے اِبا کرتی ہے کہ اُس کے سوا کوئی اور پاک و بے عیب ہو سکے’’[12]۔

وفات کا سانحہ

مولانا کی وفات اُس وقت ہوئی، جب کہ پورا ملک کورونا جیسے مہلک وبائی بحران سے شدید طور پر دوچار

---

[12] زیر نظر تحریر میں یہ وضاحت بظاہر غیر متعلق معلوم ہو گی، مگر دعوتی تحریکوں اور اُن کے قائدین کی نسبت سے پیدا ہونے والے سخت غلو اور تعصبات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اہل علم کے نزدیک یہ ایک انتہائی اہم توضیح قرار پائے گی۔

تھا۔ ایسی حالت میں اپولو اسپتال کے آئی سی یو وارڈ میں ایک حقیر خورد بینی جرثومے نے جس طرح ایک عظیم شخص کی حیاتِ مستعار کا خاتمہ کیا، جس بے بسی کے عالم میں بوقت آخر کچھ کہے بغیر تاریخ کا یہ عظیم انسان اِس دار فانی سے رخصت ہوا، اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اپنے بے شمار متبعین (followers) کی موجودگی کے باوجود حالات کے جبر کے تحت جس طرح چند اہل خانہ کے ذریعے سے نئی دہلی کے ایک قبرستان (پنج پیراں، بستی حضرت نظام الدین) میں اُس کی خاموش تدفین ہوئی، وہ ہم تمام زندہ رہ جانے والوں کے لیے بلاشبہ، ایک عجیب عبرت نامے کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ پورا معاملہ واقعات کی زبان میں بتا رہا ہے کہ خدا کتنا عظیم اور کس قدر بے نیاز ہے۔ سوچنے والوں کے لیے یہ گویا اُن آیاتِ بینات کا ایک عجیب اظہار تھا جن میں ارشاد ہوا ہے:

☆ 'وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ'[۱۳]۔

☆ 'يٰاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ج وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ. اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ. وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ'[۱۴]۔

☆ 'وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ'[۱۵]۔

حقیقت یہ ہے کہ خداوند ذوالجلال کے نزدیک ایک عالمی شہرت یافتہ شخص بھی اُسی طرح ایک عاجز بندہ ہے، جس طرح دوسرا کوئی شخص۔ اُس کے نزدیک اِس دنیا میں عامی اور غیر عامی، سب برابر ہیں۔ کسی انسان کی تمام سرگرمی خدا کے فضل اور اُس کے حکم (اَمر) کا نتیجہ ہے، یہ ہرگز کسی شخص کا کوئی ذاتی کمال نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِس حکم کے اٹھتے ہی ہر شخص صرف ایک ایسے نامطلوب خاکی وجود کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، جسے

---

[۱۳] العنکبوت ۲۹: ۶۔ ''اور جو لوگ راہِ حق میں مجاہدہ کرتے ہیں، وہ اپنے ہی لیے کرتے ہیں، اِس لیے کہ اللہ تو تمام دنیا والوں سے بالکل بے نیاز ہے۔''

[۱۴] فاطر ۳۵: ۱۵-۱۷۔ ''لوگو، یقیناً تم ہی اللہ کے محتاج ہو۔ اللہ تو بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔ وہ چاہے تو تمھیں لے جائے اور تمھاری جگہ ایک نئی مخلوق یہاں لے آئے۔ یہ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔''

[۱۵] الانعام ۶: ۹۴۔ ''بالآخر تم بالکل اُسی طرح یک و تنہا ہمارے پاس آ گئے، جیسے پہلی مرتبہ ہم نے تمھیں پیدا کیا تھا۔ جو کچھ (دنیا میں) ہم نے تم کو دیا تھا، وہ سب کا سب اپنے پیچھے چھوڑ کر۔''

جلد از جلد سپرد خاک کر دینا خود اُس کے اپنے متعلقین کی پہلی ترجیح بن جاتی ہے —— اِس دنیا میں ساری عظمت صرف خدا کے لیے ہے، نہ کہ کسی اور زندہ یا غیر زندہ شخصیت کے لیے۔

مولانا مرحوم کی زندگی کے آخری لمحات کے ذریعے سے گویا خدا نے اُن کے بعد والوں کے لیے وہی سامان عبرت پیدا فرما دیا جس کے درس سے اُن کی پوری زندگی عبارت تھی، یعنی خدا کی کبریائی اور اُس کی عظمت و جلال کا واقعاتی اظہار۔ اِس اعتبار سے بلا شبہ، یہ کہنا درست ہو گا کہ مولانا کی زندگی بھی مبارک تھی اور اُن کی موت بھی مبارک (طابَ حَيًّا، وطابَ مَيِّتًا)۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی کی نجات اور اُس کے حسنِ خاتمہ کا اصل معیار اُس کی حقیقی ایمانی زندگی ہے، نہ کہ اُسے قبر تک پہنچانے والوں کی کثرت اور ازدِحام۔ مولانا کی زندگی کے یہ آخری لمحات اِن شاء اللہ اُن کے اجر میں اضافہ اور اُن کے لیے مزید بلندی درجات کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔

مولانا مرحوم جس 'تیار ذہن' (prepared mind) کے ساتھ آخرت کے ابدی دور حیات میں داخل ہوئے، واقعات شاہد ہیں کہ 'قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ'[16] کے مطابق، تاریخ کے بہت کم لوگ اِس توفیق سے بہرہ ور ہو سکے۔ اللہ کا یہ بندہ پوری زندگی خدا اور موت اور آخرت کی جس طرح منادی کرتا رہا، آج جب براہ راست وہ خود اِن حقائق کا سامنا کر رہا ہے تو اللہ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ وہ اُس کو اپنی خصوصی عنایت اور فضل سے نوازے گا۔ جنت کے جس ابدی باغ کی طرف پوری زندگی وہ لوگوں کو بلاتا رہا، خدا ضرور اُس کو جنت کے اِس ابدی باغ کا پروانہ دے گا۔ جہنم کی جس آگ سے وہ مسلسل لوگوں کو ڈراتا رہا، خدا ضرور اِس نار جہنم سے اُس کو اپنی خصوصی پناہ عطا کرے گا۔ وہ خدا سے راضی ہو گا اور خدا اُس سے راضی ہو کر محض اپنی رحمت سے اُس کو 'رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً' کی ابدی بادشاہی میں داخلہ عطا فرمائے گا، جہاں وہ تجلیات ربانی سے سرشار ہو کر خدا کی حمد و کبریائی کا لامحدود ترانہ گاتا رہے۔

'اللّٰهُمّ اغْفِرْله وارْحَمْه واعْفُ عَنْه، وَلا تَحْرِمْنا أجْرَه، ولا تَفْتِنَّا بَعْدَه'۔

[لکھنؤ، ۳۰/ اپریل ۲۰۲۱ء، شب ۲:۳۰]

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

---

[16] سبا ۳۴: ۱۳۔ ''واقعہ یہ ہے کہ میرے بندوں میں بہت کم بندے شکر گزار ہوا کرتے ہیں۔''

Trusted Name for Last 65 years

Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets

Since 1949
Snowhite
DRYCLEANERS
Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!

TQCSI
Quality Certified
ISO 9001 : 2000

Brands of the year Award
IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS
2011-2012

Web: www.snowhite.com.pk
Tel: 021-38682810